اصولِ افسانہ نگاری

اویس احمد ادیب

اصول افسانہ نگاری

از

اویس احمد ادیب

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025

پہلی اشاعت : 2017
تعداد : 550
قیمت : -/65 روپئے
سلسلۂ مطبوعات : 1956

Usool Afsana Nigari
By: Owais Ahmad Adeeb

ISBN :978-81-934243-2-2

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک۔8، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066 فون نمبر: 26109746
فیکس: 26108159 ای۔میل: ncpulsaleunit@gmail.com
ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: جے۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز، بازار ضیا محل، جامع مسجد، دہلی۔110006
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جاسکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل

انتساب

اپنی عزیز ترین بھتیجی شمس النسا مرحومہ کی یادگار
کے طور پر میں اس کتاب کو ناظرین کے روبرو
پیش کرتا ہوں۔

اویس احمد ادیب

برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم وادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہردلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

پروفیسر سید علی کریم
(ارتضیٰ کریم)
ڈائرکٹر

فہرست

انتساب

اپنی عزیز ترین بھتیجی شمس النسا مرحومہ کی یادگار
کے طور پر میں اس کتاب کو ناظرین کے روبرو
پیش کرتا ہوں۔

اویس احمد ادیب

احوال واقعی

اردو زبان وادب میں آج کل افسانہ نگاروں کی کمی نہیں۔ اردو داں طبقہ کا ہر تیسرا فرد افسانہ نگار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ حشرات[1] الارض اپنے افسانوں کے مجموعے شائع کر کے شہرت عام اور بقائے دوام کے طالب ہوتے ہیں۔ ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ ان کے افسانے کس حد تک اصول افسانہ نگاری کے تحت لکھے گئے ہیں اور انھوں نے کس حد تک افسانہ کے عناصر اور منازل کو پیش نظر رکھا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ افسانہ نگار پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی اور نہ اُسے اپنے فرائض کی تکمیل کی ضرورت ہے کیونکہ اُن کی ہمت افزائی کے لئے اکثر و بیشتر ایسے رسائل ملک کے طول وعرض میں شائع ہوتے رہتے ہیں جن کو پست، پست تر اور پست ترین افسانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان رسائل کو بھی اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ ''افسانے'' کس معیار کے ہوتے ہیں اور ان میں انسانی زندگی کا کون سا پہلو پیش کیا جاتا ہے ''ادب لطیف'' کے پردے میں وہ ''ادب کثیف'' کے انبار لگا رہے ہیں۔ اپنے نظریہ کے مطابق وہ اردو زبان وادب کے سرمایہ میں اضافہ کررہے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے افسانے اردو زبان وادب پر وہ بدنما داغ ہیں جو کسی طرح دھوئے نہیں جاسکتے۔ رفتہ رفتہ ان اردو ''افسانوں'' کی وجہ سے ''اردو زبان ادب''

1۔ افسانہ نگار۔

کی صورت مسخ ہو جائے گی۔ اور ہر فرد کی زبان پر یہی کلمات ہوں گے "اردو زبان و ادب مخرب اخلاق ہے۔ اس میں سوائے گل و بلبل[1] کے افسانوں کے اور کچھ نہیں۔"

اگر اس امر پر غور کیا جائے کہ "اردو" میں اس قدر افسانہ نگار کیوں پیدا ہو گئے تو اس کی صحیح وجہ آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ ہر وہ شخص جو تھوڑی بہت اردو لکھ پڑھ سکتا ہے اہل قلم بننے کی کوششیں کرتا ہے۔ اردو کا یہ اضطرابی دوران کی وجہ سے پستی کی طرف مائل ہوتا جا رہا ہے۔ علم کی کمی، مگر صاحب قلم بننے کی خواہش انھیں اس امر پر مجبور کرتی ہے کہ وہ کسی ناول، ڈراما یا افسانے کے پلاٹ میں ضمنی تبدیلیاں کر کے اُسے اپنا اور "طبع زاد" شوشل یا تاریخی شاہکار بنا کر پیش کریں۔ اگر انھیں اس قسم کی ادبی چوری کا موقع نہیں ملتا تو وہ اپنے محلہ یا شہر کے کسی واقعہ کو پیش کر کے خراج تحسین حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے افسانہ نگار کبھی بلند نظریوں کے حامل نہیں ہو سکتے۔ عوام ان افسانوں کو پڑھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ادنیٰ درجہ کے افسانے پڑھ کر ان کی ذہنیت بھی پست ہو جاتی ہے اور وہ اس قسم کے افسانے پسند کرنے لگتے ہیں۔ موجودہ ذہنی پستی کے ذمہ دار کسی حد تک ادنیٰ درجہ کے افسانہ نگار ہیں۔

ملک اور قوم کی سیاسی اور سماجی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ بہت سے "اخبار نویس" افسانہ نگار بھی ہو جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے یہ غلط فہمی اردو داں طبقہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہر بلند پایہ "اخبار نویس" یا "ایڈیٹر" ایک بلند پایہ افسانہ نگار بھی ہو سکتا ہے۔ مگر جب اس خیال کو حقیقت کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے تو اس کی حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے۔ اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ "ہر کامیاب اخبار نویس معیاری افسانہ نگار نہیں ہو سکتا۔ مگر جس اخبار نویس میں افسانہ نگاری کے جراثیم موجود ہوتے ہیں اس کا اخبار نویسی کا تجربہ اس کو ایک کامیاب اور بلند پایہ افسانہ نگار بننے میں بہت مدد دیتا ہے۔"

اس تمہید سے میرا یہ مقصد نہیں کہ میں کامیاب افسانہ نگاروں کو بد دل کر دوں یا کامیاب افسانہ نویسوں کو اخبار نویس بنا دوں یا جن میں ان کے جراثیم موجود ہوں ان سے کہہ دوں کہ وہ اس سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔ جن میں افسانہ نگار بننے کی صلاحیت موجود ہو انھیں اصول افسانہ

1۔ عشقیہ داستانیں

نگاری سے واقف ہوجانا بھی ضروری ہے۔اکثر ایسے افسانہ نگار بھی دیکھنے میں آئے ہیں جن کو افسانے کے اجزا کا بھی علم نہیں ہوتا، انھیں چاہئے کہ وہ افسانہ نویسی سے قبل اس کے اصول اور اجزا سے کماحقہٗ واقفیت حاصل کریں۔ اگر انھیں فطری طور سے افسانہ نگاری سے لگاؤ نہیں ہے تو افسانہ نگاری چھوڑ کر کسی اور صنف ادب کی طرف توجہ کریں۔ ایسے افسانہ نگار جو فطری رجحان نہ ہونے کے باوجود افسانہ نگار بننے کی کوشش کرتے ہیں، کامیاب افسانہ نگار نہیں ہوتے۔ اکثر ایسے اصحاب بھی ہیں جن میں افسانہ نگاری کے جراثیم موجود ہوتے ہیں اور ذرا سی مشق بہم پہنچانے سے وہ خاصے افسانہ نگار بن سکتے ہیں۔ مگر وہ محنت سے گریز کرتے ہیں۔ انھیں ''اکتساب'' میں محنت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح ایک کور مذاق انسان شاعر نہیں بن سکتا۔ یا بدمذاق انسان موسیقی کا ماہر نہیں ہوسکتا، اسی طرح ''اکتسابی جذبہ'' ہر انسان کو افسانہ نگار نہیں بنا سکتا۔

افسانہ نگار کی اس فطری خوبی کا اندازہ اس کے افسانوں کے اصولی اور بلند پایہ ہونے سے لگایا جاسکتا ہے۔ جس شخص میں افسانہ نگاری کا جوش اور جذبہ موجود ہوگا وہ ادنیٰ درجہ کے ہلکے پھلکے اور پامال قصے لکھنے سے گریز کرکے اصول افسانہ نگاری سے آگاہ ہونے کی کوششیں کرے گا۔ اس کے اجزائے ترکیبی کو پہلے سمجھے گا اور ایک خاص نصب العین کے ساتھ اپنا قلم اُٹھائے گا۔ اکثر افسانہ نگار ایسے ہوتے ہیں جن کو ان کی قطعی پروا نہیں ہوتی۔ اسی سلسلہ میں کچھ ایسے اصحاب کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا جس میں افسانہ نگار بننے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے مگر وہ اس قدر کاہل اور کم ہمت ہیں کہ وہ افسانہ نگاری کو دردِسری تصور کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کے افسانے پڑھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں اور اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت کو رفتہ رفتہ تباہ کر ڈالتے ہیں۔ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ ایسے افراد کو اگر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ طوعاً و کرہاً افسانہ لکھ دیتے ہیں۔ مگر اس میں اُن کا وہ پوشیدہ جوہر نمایاں ہوجاتا ہے۔ اس قسم کے افراد جب افسانہ نگاری کی طرف توجہ کرتے ہیں تو وہ بہت جلد شہرت عام کے مالک بن جاتے ہیں۔ افسانہ نگاری ان کی روزی کا ذریعہ نہیں ہوتی۔ وہ ہر سیکنڈ اور ہر منٹ میں افسانہ تیار نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ افسانوں میں ابتذال پیدا نہیں ہوتا۔ ان میں ندرت، عجوبہ پن اور جاذبیت ہوتی ہے۔

کامیاب افسانہ نگاروں کی شہرت ناکام افسانہ نگاروں کو ان کا دشمن بنا دیتی ہے۔ وہ اس امر

کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو ذلیل کریں اور نیچا دکھائیں مگر حاسدین کا حسد انھیں خود قعر مذلّت میں ڈبو دیتا ہے۔ اور ایک دن وہ آتا ہے کہ حاسد فنا ہو جاتا ہے۔ اور افسانہ نگار عروس شہرت سے ہمکنار نظر آتا ہے مگر یہ ''ہمکناری'' صرف اُسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ افسانہ نگار ملک کی سیاسی، سماجی، قومی اور ملّی تحریک کا بغور مطالعہ کرتا ہے اور ان پر اپنے افسانوں کی فلک پیما عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ افسانہ نگار اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے اور اسی ماحول میں اُسے افسانہ لکھنے کا مواد مل جاتا ہے۔ مگر مواد مل جانے کے یہ معنی نہیں کہ افسانہ نگار جس طرح ممکن ہو چند منٹ اور چند ساعت میں اپنے افسانے کی تکمیل کر دے۔ ممکن ہے کہ اُسے ایک معیاری افسانہ لکھنے میں ایک دن، ایک ہفتہ، ایک ماہ یا ایک سال لگ جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک افسانہ نگار افسانہ کی ابتدا کرتا ہے، تمہید بہت اچھی ہوتی ہے مگر بعد میں وہ معیار قائم نہیں رہنے پاتا۔ ایسی صورت میں ایسے ''افسانہ آئندہ کے لئے اُٹھا رکھنا چاہئے۔''

موجودہ اضطرابی دور کے افسانہ نگاروں کی کمزوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اور آئندہ کے افسانہ نگاروں کو سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے یہ کتاب ''اصول افسانہ نگاری'' ترتیب دی گئی ہے تا کہ افسانہ نگار حضرات کو ''افسانہ نگار'' کے فرائض اور افسانے کے عناصر اور منازل کے معلوم کرنے میں کوئی دقت نہ ہو اور وہ پست افسانے لکھنے کے بجائے فنی تکمیل کے ساتھ افسانے لکھنے لگیں۔ ''مبتدی افسانہ نگار'' کے لئے بھی یہ کتاب بہت مفید ہے۔ ابتدا ہی سے افسانے مکمل اور معیاری ہو سکتے ہیں مگر اصول افسانہ نگاری کو مدنظر رکھنا شرط ہے۔ مجھے امید قوی ہے کہ یہ کتاب بہت مفید اور کار آمد ثابت ہوگی۔

اویس احمد ادیب
حلیم مسلم کالج، کانپور

باب اوّل

مختصر افسانہ، ناولٹ یا مختصر ناول، اسکیچ یا خاکہ

مختصر افسانہ

اگر کسی اہلِ قلم سے مختصر افسانے کی تعریف پوچھی جائے تو وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ یہ جواب دے گا کہ ایسا کون شخص ہے جو یہ نہیں جانتا کہ مختصر افسانہ کیا ہے؟ اس قسم کے سوال کرنے والے کو وہ احمق تصور کرتے ہوئے چند جوابی سوالات بھی کرے گا مثلاً میز کیا ہے؟ کرسی کیا ہے؟ اور پیڑ کیا ہے؟ غرض اسی طرح وہ سوال کرنے والے کو اپنی قابلیت سے مرعوب کرنے کی کوشش کرے گا۔ مگر وہ حضرات جو زبان و ادب سے بخوبی واقف ہیں اور اس کے اصناف پر عبور رکھتے ہیں یہ بخوبی جانتے ہیں کہ کسی صنفِ ادب کی صحیح جامع و مانع تعریف بہت مشکل ہے۔ ہر اہلِ قلم اپنی سمجھ اور قابلیت کے مطابق ایک علیحدہ تعریف کرتا ہے۔ اس صنف ادب کے مختلف اجزا مختلف تعریفوں میں موجود ہوتے ہیں۔ مگر سب کی تعریفیں یکساں نہیں ہوتیں۔ بعض حضرات نے مختصر افسانے کی تعریف یوں کی ہے:

"مختصر افسانہ ایک مختصر ناول ہوتا ہے۔"

مختصر افسانے کی مذکورہ بالا تعریف کسی طرح جامع اور مکمل تعریف نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ناول اور افسانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ افسانے کا ناول سے کوئی تعلق نہیں۔ افسانہ بذات خود ایک علیحدہ مکمل اور جامع فن ہے۔ ایچ۔ جی۔ ویلز (H.G.Wells) نے کچھ عرصہ ہوا اپنے افسانوں کا ایک مجموعہ ''اندھوں کا دیش'' (The Country of the Blind) شائع کیا تھا۔ اس کے دیباچہ میں انھوں نے مختصر افسانہ کی تعریف یوں کی ہے:۔

> ''میرے نزدیک کسی خاص قسم یا شکل کے قصے کو مختصر افسانہ کہنا درست نہیں، ایسے قصے کو افسانہ کہا جاسکتا ہے جو ایک گھنٹہ کے اندر پڑھا جاسکے اور جس سے قاری کے جذبات برانگیختہ ہوسکیں یا جس کے پڑھنے سے اس کو سرور حاصل ہوسکے۔ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اگر وہ اس قدر مختصر ہے جتنا کہ ایک کیڑا......جو کہ گھاس کی دو پتیوں کے درمیان انتہائی تلاش وجستجو کے بعد دیکھا جاسکے۔ تب بھی وہ مختصر افسانہ ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ہماری روزانہ زندگی سے متعلق ہو۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مافوق العادت یا مافوق الفطرت ہو۔ ممکن ہے کہ اس کو پڑھ کر قاری کسی خاص خیال کی طرف رجوع ہوجائے یا اس کی سطحی باتوں سے خوش ہوجائے، بہرکیف یہ میرا نظریہ ہے۔ اس کے مطابق وہی افسانہ کامیاب مختصر افسانہ کہا جائے گا جو قاری کے دل میں خوشی، غم، یا خوف کے جذبات پیدا کرسکے گا یا اس کے جذبات میں تلاطم برپا کردے گا اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ موضوع کے لحاظ سے ماحول اور تخیل دونوں ضروری پابندیوں کے ساتھ کارفرما ہوں۔''[1]

ایچ۔ جی۔ ویلز افسانہ کی تعریف صرف اسی قدر کی ہے کہ وہ ایک گھنٹہ کے اندر پڑھا جاسکے۔ اس میں انھوں نے کوئی فنی پابندی عائد نہیں کی ہے۔ ایک گھنٹے کی مدت میں تو ایک رومانی قصہ، کیرکٹر، اسکیچ، قصہ، کہانی، تمثیل قصہ در قصہ وغیرہ بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔ گویا ایک مختصر افسانہ

Eadgas Allen Poe-1

اور مذکورہ بالا اصناف ادب میں کوئی باقی نہیں رہا۔ حالانکہ افسانہ کا مختصر ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ انھی اصناف ادب کے اثر کا نتیجہ ہے۔ ایک دوسرے مصنف اڈگیس ایلین پو (Eadges Allen Poe) نے افسانہ کی تعریف یوں کی ہے:۔

"افسانہ ایک نثری قصہ ہوتا ہے جس کے پڑھنے میں ہمیں کم سے کم نصف گھنٹہ لگے اور زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے لگ جائیں۔"

پو نے بھی افسانہ کے فنی تکمیل اور فنی خوبیوں کو نظر انداز کر دیا۔ ان کے نزدیک کوئی قصہ افسانہ کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں فنی حقیقتیں پورے طور پر نمایاں نہ ہوں۔

جے۔اے۔ ہمیرٹن نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے:۔

"افسانہ نویسی بذات خود ایک مکمل فن ہے۔ افسانہ تین سو الفاظ سے لے کر دس یا پندرہ ہزار الفاظ کا مجموعہ ہو سکتا ہے۔ موضوع کی اس کے لئے کوئی قید نہیں خواہ اس میں انسانی زندگی کا مکمل خاکہ کھینچا گیا ہو یا انسانی خصوصیات مجمل طور پر پیش کی گئی ہوں۔ کسی افسانے میں اگر کوئی خاص کیرکٹر پیش کیا گیا ہو یا کوئی واقعہ لکھا گیا ہو تبھی وہ افسانہ ہوگا مگر اس میں تخیل پورے طور پر کارفرما ہونا چاہئے تاکہ افسانے کا جو مقصد ہو وہ کم سے کم کردار اور کم سے کم واقعات کے ساتھ حاصل کر لیا گیا ہو۔"

جے۔اے، ہمیرٹن نے افسانے میں وقت کی قید نہیں لگائی بلکہ الفاظ کی قید لگائی ہے جس کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ افسانہ ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ کے اندر ختم ہو جائے۔ مگر اُس کے ساتھ ساتھ انھوں نے افسانہ پر چند فنی پابندیاں عائد کر دی ہیں، اُن کا خیال ہے کہ دنیا کے ہر شے افسانہ کا موضوع ہو سکتی ہے اور تخیل کی اہم آہنگی کے ذریعہ سے اس میں بلندی پیدا کی جا سکتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کا ہماری زندگی سے متعلق ہونا ضروری ہے۔ یہاں پر ایچ۔ جی۔ ویلز اور ہمیرٹن کے نظریوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہی افسانے زیادہ کامیاب تصور کئے جاتے ہیں جو ہماری روزانہ زندگی سے متعلق ہوتے ہیں اور جن کو پڑھ کر قاری یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ واقعات تو "میری زندگی کے واقعات ہیں"۔ ان کردار یا واقعہ کی شرط بھی ہمیرٹن

نے لگادی ہے اور یہ افسانے کے لئے بہت ضروری ہیں۔ غرض مذکورہ بالا نظریوں کو دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مختصر افسانہ نویسی بذات خود ایک مکمل فن ہے۔ افسانہ کم سے کم وقت میں پڑھا جاسکتا ہے اور اس میں تمام فنی نکات پیدا کئے جاسکتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں افسانہ نگاروں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی اور نہ ہی ان کو زبان و ادب میں کوئی خاص مرتبہ دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے شاہکار محض تخیلی ہوتے ہیں۔ وہ خیالی پلاؤ پکاتے ہیں اور خیالی عمارتیں تعمیر کرتے ہیں۔ اس خیال کے پیش نظر انھیں زندگی کے اہم اور عملی معاملات میں دخل دینے کے قابل تصور نہیں کیا جاتا۔ یہ خیال کہ افسانہ نگار کو سنجیدگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بالکل افسانہ نگار کی وقعت کو کمتر کرنے والا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ وہ زندگی کے مسائل پر کبھی غور نہیں کرتا۔ بلکہ وہ حسن وعشق کی ایسی خیالی عمارتیں تیار کرتا ہے جن کی بنیاد کا پتہ نہیں ہوتا۔ اگر افسانہ نگار کے افسانوں کا تجزیہ کیا جائے تو اس کی تحریر میں زندگی کے دقیق مسائل قدم قدم پر ملیں گے۔ ان میں وہ تمام فنی خوبیاں موجود ہوں گی جو ایک افسانے کے لئے ضروری ہیں۔ ان کا ہر افسانہ کسی نہ کسی مقصد کی تکمیل ضرور کرتا ہے ہوگا۔ موجودہ زمانے کے مختصر افسانے ہر حیثیت سے تاریخ ادب میں شامل کئے جانے کے قابل ہیں۔ اگر افسانوں کو اس میں شامل نہ کیا جائے تو کبھی تاریخ ادب مکمل نہیں ہوسکتی۔ فن افسانہ نگاری کا شمار فنون لطیفہ میں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق بھی وجدان[1] یا احساس جمالی سے ہے جس کے ذریعہ سے فطرت کے راز انسان پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کے عموماً دو طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اوّل داخلی اور دوئم خارجی۔ داخلی طریقہ سے وہ اپنے احساسات پیش کرکے افسانہ کو موثر بناتا ہے اور خارجی طریقہ سے وہ اس کی ظاہری شکل وصورت پیش کرتا ہے۔ غرض افسانہ انسانی زندگی کی پوشیدہ حقیقتوں کو ظاہر کرنے کا ایک زبردست ذریعہ ہے۔ ایک شاعر کے مقابلے میں ایک افسانہ نگار اپنے مقصد کی تکمیل انتہائی خوبی کے ساتھ کرسکتا ہے کیونکہ شاعری کی طرح اُسے زبان کے سلسلہ میں بحر، ردیف اور قافیہ کی پابندیوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، شاعر کو اپنی تحریر کے ناموزوں ہوجانے کا خوف رہتا ہے۔

---

1. Artestic Teste

ناولٹ یا مختصر ناول

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مختصر افسانے کی حد کہاں پر ختم ہوتی ہے۔ اور کہاں سے مختصر ناولٹ یا ناول کی ابتدا ہوتی ہے؟ اس سوال کا جواب بہت مشکل ہے کیونکہ افسانے اور ناولٹ کی کوئی نمایاں حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ ایچ۔ جی۔ ویلز کا قول گذشتہ صفحات میں نقل کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہمیرٹن کی رائے بھی پیش کی گئی ہے جن میں وقت اور الفاظ کی قید لگائی گئی ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور مصنف سڈنی۔ اے۔ موسلے کا خیال پیش کیا جاتا ہے جو انھوں نے اپنی مشہور کتاب ''مختصر افسانہ نویسی'' میں درج کیا ہے۔

> ''افسانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بہ آواز بلند پڑھا جائے تو پندرہ منٹ سے بیس منٹ کے اندر ختم ہو جائے۔''

موسلے نے بھی افسانے کی فنی تکمیل کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ افسانہ ایک معینہ وقت میں پڑھا جا سکے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا دشوار ہے کہ کہاں افسانے کی حد ختم ہوتی ہے اور کہاں سے مختصر ناول شروع ہوتا ہے۔ بعض مصنفین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر افسانہ پندرہ سو الفاظ سے کم ہوگا تو وہ خاکہ (Sketch)[1] ہوگا۔ اگر دس ہزار الفاظ اس میں موجود ہوں گے تو وہ مختصر افسانہ ہوگا۔ جس افسانے میں دس ہزار سے زیادہ الفاظ ہوں گے وہ ناولٹ کی حدود میں داخل ہو جائے گا۔ گویا پندرہ سو الفاظ سے دس ہزار الفاظ تک کے قصے کو افسانہ کہا جائے گا مگر یہ قید ہر زبان و ادب کے افسانوں کے لئے درست نہیں ہو سکتی۔ اردو زبان و ادب میں اکثر ایسے افسانے موجود ہیں جن میں الفاظ کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہے۔ مگر ان میں افسانوی خوبیاں اور فنی نکات موجود ہیں۔ وہ درحقیقت ناولٹ کے بجائے افسانے ہیں۔ ہمیں اپنے ماحول، اپنی ضروریات کے لحاظ سے ان نظریوں میں تبدیلی کرنا ہوگی اور اس غیر ملکی صنف ادب کی غیر ملکی پابندیوں کو دور کر کے اپنانا ہوگا۔

ان الفاظ اور وقت کی قیود سے آزاد ہو کر ہم مختصر ناول اور افسانے کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہاں سے مختصر ناول کی ابتدا ہوگی وہیں پر افسانہ کا خاتمہ ہوگا۔ مختصر ناول میں زیادہ سے زیادہ

"Short Story Writing" by S.A. Mosely-1

کردار پیش کر کے ناولٹ کے مقصد کی تکمیل کی جاسکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مگر افسانے میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ناولٹ میں گذشتہ تفصیلی بیانات پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر افسانے میں اس کی اجازت نہیں۔ ہاں اگر کسی واقعہ کے ارتقا میں اس سے مدد مل سکتی ہے تو اسے اجمالی طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کو یوں کہنا چاہئے کہ ہر افسانہ نگار کو اپنے اوپر پابندی عائد کرنا چاہئے کہ اُسے کم سے کم الفاظ میں اپنا مقصد پیش کرنا ہے۔ اس طرح وہ افسانے کے حدود سے نکل کر ناولٹ کی حدود میں داخل نہ ہوگا۔

اسکیچ یا خاکہ

''مختصر افسانہ'' کے تحت میں ہمیرٹن کی رائے پیش کی گئی ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ تخیل کی مدد سے چند واقعات پیش کر کے کردار کے ایک رُخ کو نمایاں کر دینے کا دوسرا نام مختصر افسانہ ہے۔ مگر میرے خیال کے مطابق افسانے کے لئے کسی حد تک کرداری ارتقا، پلاٹ، واقعات اور انتخاب کے ساتھ ساتھ اتحاد زماں، اتحاد مکاں اور اتحاد عمل کے علاوہ افسانے کی فنی حقیقت، مکالمہ، ماحول اور اسلوب پیشکش بھی انتہائی ضروری ہیں۔ جن افسانوں میں کسی ایک کیرکٹر کے کسی ایک پہلو کو نمایاں کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے تو اس میں افسانوی فضا پیدا نہیں ہونے پاتی۔ وہ افسانے نہیں ہوتے بلکہ ''خاکے'' ہوتے ہیں۔ اسکیچ اپنے اجزا اور طرز ادا کے لحاظ سے افسانوں سے بالکل جدا ہوتے ہیں۔ ''خاکہ'' کھینچنا ممالک غیر میں افسانہ نویسوں کا کام نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اخبار نویسوں سے ہے جو آزادی کے ساتھ اپنے قلم کو جنبش دیتے ہیں۔ ''خاکہ'' یا ''اسکیچ'' دراصل اخبار نویسی اور مختصر افسانہ نویسی کی درمیانی کڑی ہے۔ ایک مشاق اخبار نویس ایک اسکیچ کو ایک مختصر افسانہ بنا سکتا ہے۔ مگر یہ اس کے تخیل کا تعمیری کام ہوگا۔ اسکیچ میں کوئی پلاٹ نہیں ہوتا اور نہ واقعات کی تلاش و جستجو کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ ان کی ترتیب سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔ کردار میں ذرا سی جنبش ضرور محسوس ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جان ہے۔ مگر اس قدر نہیں کہ وہ اپنے کیرکٹر میں ارتقا محسوس کر سکے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں اسکیچ کے متعلق یہ تحریر ہے کہ خاکہ دراصل کسی چیز کے خارجی اور داخلی عناصر کا ایک ایسا مجموعہ ہوتا ہے جس میں اس کی صفات مختصر الفاظ میں ظاہر کی جاتی ہیں۔ قاری کو اس ہستی کا دھندلا سا مگر مکمل عکس نظر آنے لگتا ہے

اور وہ شخص یا شئے اُسی ہیئت کے ساتھ ساکت یا حرکت کرتی ہوئی نظر آنے لگتی ہے۔ کبھی کسی کرداری خوبی کے ساتھ اس ہیئت کو پیش کیا جاتا ہے یا کسی واقعہ کو زمانۂ حال یا زمانۂ ماضی میں دکھلایا جاتا ہے۔ غرض مصنف کے دل و دماغ پر اس شخص یا چیز کو دیکھنے کے بعد جو نقوش باقی رہ جاتے ہیں وہ الفاظ کے ذریعہ ہی پیش کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر ایک اخبار نویس اس میں ذرا سی تبدیلی کے ساتھ پلاٹ پیدا کر دیتا ہے تو وہی مختصر افسانہ ہو جاتا ہے۔

باب دوم

افسانے کی سُرخی، ابتدا اور تحریک، منتہا، انکشاف اور خاتمہ

افسانے کی سُرخی

موجودہ زمانے میں ''افسانے کی سُرخی'' پر زیادہ توجہ مبذول نہیں کی جاتی۔ حالانکہ افسانے کی سُرخی کا بلند پایہ اور معیاری ہونا بہت ضروری ہے۔ آج کل افسانوں کی سُرخیاں قائم کرنے کے بہت سے طریقے رائج ہیں۔ اول یہ ہے کہ پہلے واقعات کو ترتیب دے کر ایک پلاٹ تیار کرلیا اور اس کی مناسبت سے کردار انتخاب کر لئے۔ ان کی موزونیت سے سُرخی انتخاب کرلی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سُرخی انتخاب کرلی اس کے بعد پلاٹ اور کردار کی تخلیق کی۔ مگر یہ طریقہ زیادہ مستحسن نہیں ہے کیونکہ ''سرخی'' اکثر کردار اور پلاٹ سے مطابقت نہیں کرتی۔ بعض افسانہ نگار وقتی مصلحت کی بنا پر اپنے افسانے کی سُرخی کا انتخاب نہیں کرتے۔ بلکہ صرف ''؟'' لگا کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ افسانہ کی موزونیت کے لحاظ سے قاری خود ہی سُرخی انتخاب کرلیں۔ کبھی ''بوجھئے اور بتایئے'' کا مقصد بھی ہوتا ہے۔

ان طریقوں کے علاوہ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ افسانہ نگار ''جذبات'' کی ترجمانی کرتے کرتے اسی جذبہ سے اپنے افسانہ کو موسوم کردیتا ہے۔ انسان میں مختلف قسم کے جذبات موجود ہیں۔ کبھی تو اس پر ''جذبۂ محبت'' غالب ہوتا ہے اور کبھی جذبۂ رنج وغم۔ وہ کبھی غیض وغضب کی کیفیت سے متاثر ہوتا ہے اور کبھی نفرت وحقارت سے۔ کسی وقت اس پر جذبۂ طرب غالب ہوتا ہے اور کبھی جذبۂ رشک وحسد۔ ایسی صورت میں وہ انھیں جذبات کو اپنے افسانے کی سُرخی بنالیتا ہے۔ ہر انسان ان جذبات سے بخوبی واقف ہے۔ یہ اس قدر عام ہیں کہ ان میں فرسودگی پیدا ہوگئی ہے۔ اس لئے ان کا کسی افسانے کی سُرخی بننا اس کو دلکشی اور جاذبیت کی دلیل نہیں۔ آج کل کے رسالوں میں ایسے افسانے جن میں انسانی جذبات کو سرخی بنایا جاتا ہے بکثرت شائع ہوتے ہیں۔ مگر قاری ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

اسی طرح ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ افسانوں کے بعض کرداروں کے ناموں کو ان کی سرخی قرار دیتے ہیں۔ عموماً زنانہ کردار کے نام اس جادوگری کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اکثر بیشتر اس قسم کے افسانے نہیں پڑھے جاتے۔ اس لئے کہ جن کی سرخی 'فرسودہ' نام ہوتے ہیں اور جو کثرت سے ہماری سوسائٹی میں استعمال ہوتے ہیں وہ کسی ندرت کے حامل نہیں رہتے۔ افسانوں کی سرخیاں اگر 'نام' ہی کو بنانا ہے تو وہ ایسے ہوں جن میں کشش موجود ہوں اور سوسائٹی کا ہر تیسرا فرد اس نام کا نہ ہو۔ نام ایسا ہو کہ اگر اس نام کا فرد تلاش کیا جائے تو وہ بہ دقّت ملے۔ تب سُرخی کسی قدر جاذبِ توجہ ہوسکتی ہے۔

افسانوں کے انجام بھی سرخیوں کے موضوع بنتے ہیں۔ اگر افسانے کے اختتام پر کسی کیرکٹر کی موت ہے تو ''فلاں کی موت''، اگر شکست ہے تو ''فلاں کی شکست'' لکھ کر افسانے کی سرخی تیار کرلی۔ اس قسم کی سرخیاں بھی زیادہ کارآمد تصور نہیں کی جاتیں۔ کیونکہ افسانے کی سرخی خود افسانے کا موضوع اور اس کا انجام بنادیتی ہے جو راز کہ راز ہونا چاہئے تھا وہ باقی نہیں رہتا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی مشہور ہستی کے نام پر کسی کیرکٹر کا نام رکھ لیا جائے۔ قاری اس ہستی کے دھوکے میں مبتلا ہوکر اس افسانے کو پڑھ لیں گے مگر عام طور پر ایسے افسانے بے توجہی کا شکار ہوتے ہیں۔

موجودہ افسانہ نگاروں نے ''اوقات'' و ''لمحات'' سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ اور اپنے

افسانوں کے نام اوقات سے متعلق کردیے ہیں۔ ان سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ افسانے میں جو نمایاں واقعات ہیں وہ کس وقت سرزد ہوئے ہیں۔ مثلاً رات کا گناہ یا لمحات شب اس کے پڑھتے ہی قاری کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوجاتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات ضرور بیان کی گئی ہے جو دلچسپ اور دلکش ہوگی۔ اس قسم کی سرخیوں سے ''افسانوی فضا'' کا بھی اظہار ہوجاتا ہے۔ اگر واقعات اور لمحات پر رکھے ہوئے نام یا قائم کی ہوئی سُرخیاں زیادہ کامیاب نہیں ہوتیں تو افسانوی فضا کو ملحوظ رکھ کر سرخی انتخاب کرلی جاتی ہے۔

کسی افسانے کو پرکھنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ مصنف کی سرخی سے قطع نظر کرکے پورا افسانہ پڑھا جائے اور پھر یہ غور کیا جائے کہ اس کے لئے کون سی سُرخی موزوں ہے۔ خود سرخی کا انتخاب کرکے یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ انتخاب کردہ سُرخی افسانے کے لئے زیادہ موزوں ہے یا افسانہ نگار کی منتخب کردہ۔ اگر کسی قاری سے یہ دریافت کیا جائے کہ وہ ''کون سی'' چیز تھی جس نے اس کو افسانے کے پڑھنے کی طرف رجوع کردیا تو وہ یہی جواب دے گا کہ ''افسانے کی سرخی''۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ افسانے کی سرخی قاری کی تمام تر توجہ کو اپنی طرف مبذول کرلیتی ہے۔ بعض اصحاب افسانوں کی سرخی پر غور کئے بغیر مصنف کا نام دیکھتے ہی افسانہ پڑھنے میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ یہ ان کی ذاتی پسند اور ان کا ذاتی رجحان ہوتا ہے۔ ایسے اصحاب سرخی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دیتے۔ ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اچھا اور برا ہر قسم کے افسانے پڑھتا رہتا ہے۔ اور وہ محض اس وجہ سے کہ پڑھنے کے لئے کوئی چیز ہونی چاہئے۔ ایسے اصحاب بھی افسانے کے پڑھنے کے قابل نہیں رہتے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ افسانے میں کیا ہونا چاہئے اور کیا نہیں؟ ان کے لئے عمدہ اور خراب سرخیاں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ مگر ان حضرات کے متعلق اتنا ضرور کہوں گا کہ ان کو افسانوں کی دلکشی سے کچھ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ افسانے کی روح اور اس کے اجزائے ترکیبی سے انھیں دور کا بھی لگاؤ نہیں ہوتا۔ عام لوگوں کے لئے افسانوں کی سرخی خاص اہمیت رکھتی ہے کیونکہ ان کے سرور وانبساط کا تعلق ان افسانوں سے ہوگا جن کی سرخی دیکھ کر وہ انھیں پڑھیں گے۔

ایک افسانہ نگار کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عمدہ، دلکش دلچسپ اور جاذب نظر سرخی قائم کرے۔، جو افسانے کی موزونیت کے لحاظ سے بھی اسی قدر بلند ہو جتنا کہ افسانہ سرخی کا افسانے

کی کامیابی کا سنگ بنیاد تصور کرنا چاہئے۔ کسی افسانے کی غیر دلچسپ بھدّی، بھونڈی اور غیر موزوں سرخی قاری کو کبھی افسانہ پڑھنے کے لئے مجبور نہیں کرسکتی۔ افسانے کی سرخی پر افسانے کی کامیابی کا انحصار کردینا کسی قدر غلطی ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ دلکش سرخی افسانے کی کامیابی میں چار چاند لگا دیتی ہے۔

اس کو دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ ''افسانے کی سرخی گویا ظاہری نمائش ہے جس کو دیکھ کر ہر شخص کی للچائی ہوئی نظریں اس کی طرف اٹھتی ہیں۔ سرخی افسانے کی روح ہوتی ہے جس کو پڑھ کر افسانے کا مقصد کسی حد تک قاری کو معلوم ہوجاتا ہے مگر یہ بات صیغۂ راز میں رہتی ہے کہ افسانے کا راز کیا ہے اور وہ کس طرح ابتدا سے منتہا تک پہنچا۔ اور کس طرح اس کا خاتمہ ہوا۔ یہی وہ سحر ہے جو قاری کو مسحور کرکے اپنے بس میں کرلیتا ہے اور اُسے افسانہ پڑھنے اور ختم کردینے پر مجبور کردیتا ہے۔

مبتدی افسانہ نگار کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی توجہ زیادہ تر افسانے کی سرخی پر مبذول کرے۔ اس کی ابتدائی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ پہلے اس کے رشحاتِ قلم رسالوں اور اخباروں میں شائع ہونے لگیں تاکہ وہ افسانوی دنیا میں مشہور ہوجائے۔ شہرت حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے افسانے کسی رسالے میں طبع ہونے کے لئے بھیجتا ہے۔ اگر اس کے افسانے کی سرخی جاذب نظر ہوتی ہے اور اس میں دلکشی پائی جاتی ہے تو وہ رسالے کی ''مدیر'' کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلیتی ہے۔ اور وہ اس افسانے کو پڑھنے کے لئے مجبور ہوجاتا ہے۔ اگر وہ معیاری ہوگا تو طبع ہوجائے گا۔ ورنہ ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے گا۔ مدیروں کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ ہر افسانے کو پڑھیں۔ سینکڑوں افسانے روزانہ موصول ہوتے ہیں اس لئے یہ اور بھی ضروری ہے کہ افسانے کی سرخی کو انتہائی دلچسپ اور دلکش بنایا جائے۔ معیار سے گری ہوئی یا فرسودہ 'سرخی' افسانے کی تباہی کا باعث ہوتی ہے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ افسانے کی کون سی سرخی اچھی یا عمدہ کہی جاسکتی ہے۔ میرے نزدیک وہی سُرخی عمدہ ہے جو تصور زا[1] ہو۔ جس کے پڑھتے ہی قاری اس امر کا اندازہ لگالے کہ افسانہ رومانی ہے یا تمثیلی، تاریخی ہے یا سماجی، فوق العادت ہے یا مافوق العادت، سرخی

Suggestine-1

کے لئے یہ امر بہت ضروری ہے کہ وہ طویل نہ ہو۔ زیادہ سے زیادہ تین یا چار الفاظ پر اُسے مشتمل ہونا چاہئے۔ ''طویل سرخی'' جاذبِ نظر نہیں رہتی اور نہ اس کے الفاظ میں کشش اور ندرت باقی رہتی ہے۔ سرخی مختصر ہو اور اس کے لئے جو الفاظ انتخاب کئے گئے ہوں وہ افسانے کے اصل موضوع سے مطابقت کرتے ہوں جس سے افسانے پر کسی قدر روشنی پڑے۔ مگر افسانے پر روشنی پڑنے کے یہ معنی نہیں کہ افسانے کی سرخی افسانے کی تفسیر بن جائے۔ اور افسانہ کا تمام تر حُسن خاک میں مل جائے۔ مطلب یہ ہے کہ افسانے کے موضوع اور سرخی میں بعد المشرقین نہ ہونا چاہئے اور نہ اس قدر قرب کہ اصل راز فاش ہو جائے۔

غیر مانوس الفاظ بھی افسانے کی سرخی کی خوبی کو ختم کر دیتے ہیں۔ افسانہ نگار کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ عام فہم الفاظ افسانے کی سرخی میں شامل ہوں۔ مگر عام فہم الفاظ کے معنی رکیک اور متروک الفاظ نہیں ہیں۔ میرا مقصد یہ بھی نہیں کہ وہ الفاظ استعمال کئے جائیں جو عام ہو چکے ہوں، جن کے استعمال سے لوگوں کو تکلیف پہنچے یا جن کو زبان سے ادا کرتے ہوئے تکلیف ہو۔ کہاوتیں اور مقولے عموماً افسانے کی سرخیاں بن جاتے ہیں۔ بعض اس قدر موزوں ہوتے ہیں کہ قاری افسانہ کی طرف توجہ مبذول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بعض اس قدر طویل، پامال اور فرسودہ ہوتے ہیں کہ ان میں کوئی عجوبہ پن باقی نہیں رہتا۔ مقولے ہمیشہ سچ نہیں ہوا کرتے۔ ہر افسانے کی سرخی کے لئے کسی کے قول کو انتخاب کرنا غلطی ہے۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیر زبانوں کے جملے، فقرے، الفاظ اور ضرب الامثال افسانوں کی سرخی کا کام دیا کرتے ہیں۔ مگر یہ طریقہ زیادہ کامیاب اور زیادہ مستحسن تصور نہیں کیا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ادب نواز سے یہ امید رکھنا کہ وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ غیر زبانوں پر بھی حاوی ہوگا۔ صرف زبردستی ہی نہیں بلکہ زیادتی ہے۔ اردو کے اکثر افسانوں کی سرخیاں فارسی زبان کے محاورات اور ضرب الامثال ہیں۔ یہ ان افسانہ نگاروں کی غلطی ہے جنھوں نے ایسا کیا ہے۔ ہر اردو داں سے فارسی دانی کی توقع رکھنا فعلِ عبث ہے۔ ایسی سرخیاں بھی کبھی کامیاب نہیں ہوتیں۔ افسانہ نگار کو موقع و محل کے لحاظ سے عام فہم اور چبھتے ہوئے الفاظ اپنے افسانوں کی سرخی کے لئے منتخب کر لینے چاہئیں۔

مہمل الفاظ کا استعمال بھی قاری کی توجہ کو مبذول کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے مگر اس کے مہمل، لغو اور بے معنی ہونے کے وجہ سے ہی ایسی سرخیوں میں عجوبہ پن ضرور ہوتا ہے۔ اس کے مہمل، لغو اور بے معنی ہونے کی وجہ سے قاری اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ جی۔ کے۔ چسٹرٹن نے اپنے ایک افسانے کی سرخی The man who was Thursday رکھی تھی۔ اس میں ندرت ضرور موجود ہے مگر بالکل مہمل اور لغو ہے اس کے دوسرے افسانے کی سرخی The Flying Inn ہے جو بہت دلکش ہے۔ اگر افسانے میں اس قسم کی گنجائش ہو کہ کوئی سرخی اس کی خاص صفت سے متعلق کر کے رکھ لی جائے تو ایسا کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ مثلاً سرخ فوج، یا نیلی پوش انگریزی زبان میں اس قسم کی سرخیاں بکثرت موجود ہیں۔

The Blue Lagon under the red role اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

ابتدا اور تحریک

یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ افسانے کے لئے ایک بلند پایہ اور جاذبِ نظر سرخی بہت ضروری ہے، یہ بھی ماننا پڑے گا کہ افسانے کے لئے ایک بلند پایہ، معیاری اور دلکش تمہید بھی اسی قدر ضروری ہے۔ اگر افسانے میں تمہید نہیں ہے اور وہ کسی خاص واقعہ سے شروع کر دیا گیا ہے تو اس کی ابتدا کسی ایسے خاص واقعہ سے ہونی چاہئے جس کو پڑھ کر قاری پورا افسانہ پڑھنے کے لئے تیار ہو جائے۔ دوسرے الفاظ میں اس کو یوں کہئے کہ تمہید یا ابتدا ایسی ہو کہ قاری مسحور ہو جائے۔ افسانہ کا پہلا جملہ ہی جادو اثر ہونا چاہئے۔ مگر افسانوں میں یہ خوبی پیدا کرنا آسان کام نہیں ہے۔ میں نے خود ایسے افسانے پڑھے ہیں جن کے پلاٹ غیر مربوط ہیں۔ کردار نگاری بالکل مفقود ہے مگر ان کی تمہید اس قدر دلکش تھی کہ میں انھیں پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے بلند پایہ افسانے عوام کے ہاتھوں تک نہیں پہنچتے، وہ وجود میں آتے ہی فنا ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی ابتدا انتہائی بے ہنگم طریقہ پر ہوتی ہے۔ اور ایک ''مدیر'' انھیں بیکار تصور کر کے پھینک دیتا ہے۔ اگر ان کے ابتدائی جملے کسی کہنہ مشق افسانہ نگار سے لکھوا لئے جائیں تو وہ بلند پایہ افسانوں میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ افسانہ نگار اپنے افسانے کے پہلے یا ابتدائی پیراگراف میں اپنے افسانے کا مفہوم پیش کر دے۔ اگر کوئی افسانہ نگار اس غلطی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کا افسانہ

تمہید کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

افسانے کی ''ابتدا'' کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ یہ افسانہ نگار کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کون سا طریقہ اختیار کرے۔ افسانوں میں کسی طویل تمہید کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ناولٹ یا ناولوں میں تمہید اشخاص، قصہ اور قاری کے درمیان شناسائی پیدا کرنے کا ذریعہ تصور کی جاتی ہے۔ اس میں جغرافیائی کیفیت، گذشتہ تاریخی واقعات، آبا واجداد کی شجاعت، سخاوت اور مہمان نوازی وغیرہ کے بیانات پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو کردار کے ابتدائی زندگی کے حالات پیش کئے جاتے ہیں دیگر باتوں کی افسانے میں اس کی قطعی گنجائش نہیں ہوتی۔ افسانہ نگار کو چاہئے کہ وہ تمہید کے پیراگراف سے فائدہ اٹھا کر ''کردار افسانہ'' کو فوراً قاری سے روشناس کرا دے تاکہ قاری کی تمام تر دلچسپی کا مرکز ہیرو اور ہیروئن بن جائیں۔ تمہید میں گویا قاری کا استقبال ہوتا ہے جس کے اثرات اس کے دل ودماغ پر پڑتے ہیں۔

میرا مقصد یہ ہے کہ تمہید کی ابتدا فنکارانہ ہو، اس میں رومانی فضا پیدا کرنے کے لئے بڑے بڑے جملے استعمال نہ کئے گئے ہوں، جن کو پڑھ کر قاری کی طبیعت میں افسانے کی طرف سے تنفیر پیدا نہ ہو جائے۔ تمہید میں سادہ عام فہم مگر مختصر جملے ہونے چاہئیں۔ جملوں میں رنگینی پیدا کرنا کوئی عیب نہیں ہے۔ مگر یہ رنگینی افسانے پر گراں نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ تخیل کی بے اعتدالی افسانے کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ ابتدا ہی سے تخیل کی بلند پروازیاں قاری کو اپنا ہمنوا نہیں بنا سکتیں وہ تخیلی تصویریں جو افسانہ نگار افسانہ کی ابتدا ہی میں پیش کرتا ہے۔، بغیر افسانے کی فضا اور ماحول سے واقف ہوئے بغیر قاری کے لیے کسی دلکشی اور دلچسپی کی حامل نہیں ہوتیں۔ مگر اکثر افسانہ نگار قاری کو مسحور کرنے کے لئے اپنے افسانے کی ابتدا کسی درمیانی واقعہ سے کرتے ہیں۔ یہ واقعہ بہت ہی جاذب اور دلکش ہوتا ہے۔ اس کو پڑھ کر قاری کا دل دھڑکنے لگتا ہے اور وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر پورا افسانہ پڑھ جاتا ہے۔ مگر بعض افسانہ نگار یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ انجام سے اپنے افسانوں کی ابتدا کرتے ہیں اور دوران افسانے میں واقعات بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ مستحسن نہیں ہوتا کیونکہ اس میں ڈرامائی پیش کشی کا موقع نہیں ملتا۔

مغربی ممالک کے افسانہ نگار اپنے افسانوں کی ابتدا مکالموں سے کرتے ہیں۔ ان کے

یہاں نہ تو کردار کا تعارف ہوتا ہے اور نہ ان کی زندگی کے واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ باتیں کرتے ہوئے قاری کے سامنے آتے ہیں۔ ان کا پہلا جملہ یہ بتاتا ہے کہ اس سے قبل کوئی بات کہی جاچکی ہے۔ وہ خود ہی قاری سے روشناس ہوتے ہیں۔ ان کا مکالمہ پڑھتے ہی قاری پورا افسانہ پڑھنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔

افسانے کی ابتدا کرنے کے بعد افسانہ نگار کو ایک ڈراما نگار کے فرائض بھی انجام دینے پڑتے ہیں کیونکہ افسانہ کی ابتدا کے ساتھ افسانے کے واقعات میں تحریک (Action) پیدا ہوجاتی ہے۔ واقعات قاری کے سامنے یکے بعد دیگرے آنا شروع ہوجاتے ہیں۔ واقعات اس وقت سادہ طریقہ پر پیش نہ کرنے چاہئیں۔ بلکہ اُن میں ڈرامائی عنصر ہونا چاہئے تاکہ وہ بھی قاری کے دماغ پر اثر انداز ہوں اور وہ گھبرا نہ اُٹھے۔ مطلب یہ ہے کہ تحریک کے ساتھ وہ دلچسپی جو افسانے کی ابتدا میں پیدا ہوگئی ہے قصہ کے ارتقا کے ساتھ ختم نہ ہوجائے۔ افسانہ نگار کو چاہئے کہ وہ ڈرامائی پیش کشی کے ذریعہ سے قاری کے سکون کو اضطراب میں تبدیل کردے۔ اس کے جذبات میں بھی وہی ہیجانی کیفیت پیدا کردے جو افسانے کے واقعات میں موجود ہے۔

ایک مبتدی افسانہ نگار کے لئے یہ مقام بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس کو چاہئے کہ وہ کسی پرانے افسانے کو اٹھا کر پڑھے اور دیکھے کہ اس کا سب سے اچھا افسانہ کس طرح شروع کیا گیا ہے اور اس کے واقعات میں کس طرح تحریک شروع ہوئی ہے۔ پھر اس پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔ ایڈگر ایلن پو، موبرس اور ڈبلیو ڈبلیو جیک کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے وہ افسانوں یا قصوں کو پڑھتے، پھر ان کی خوبیوں پر غور کرتے اور اپنے دل و دماغ سے یہ دریافت کرتے کہ "میں نے اس افسانے کو کیوں پڑھا؟ میں نے ابتدا ہی میں اس کو کیوں نہ چھوڑ دیا؟" ان سوالات کے جوابات نے انھیں بتادیا تھا کہ افسانوں کی ابتدا ہی انھیں افسانے پڑھنے کے لئے مجبور کرتی تھی، ان کی سمجھ میں یہ راز آ گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں کی ابتدا انتہائی دلکش ہوتی ہے۔ قاری پورے طور پر ایک صفحہ بھی پڑھنے نہیں پاتا کہ اس کے دل میں ایک ایسی اضطرابی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جو اُسے افسانہ کو ختم کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ مگر اس کے لئے کوئی کلیہ یا قانون نہیں بنایا جاسکتا۔ اردو زبان کے بعض افسانوں میں طویل تمہید دیکھی گئی ہیں۔ جو افسانوں کے فنا کی ذمہ دار ہیں۔ افسانے میں طویل

تمہید پیش کرنا یا تمہید میں کردار کے عیوب خود بیان کرنا یا محاکاتی بیانات قلم بند کرنا اصول افسانہ نگاری کے منافی ہیں۔

مُنتہا، انکشاف اور خاتمہ

افسانے کا اختتام بھی افسانہ کی ابتدا کی طرح اہم ہے۔ افسانہ جب منتہا پر پہنچ جاتا ہے تو ان رازوں کا انکشاف کیا جاتا ہے جو دوران افسانے میں پیدا ہوئے تھے اور جن میں قاری اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ مگر منتہا سے قبل ان رازوں کے انکشاف سے قصہ کے عروج میں فرق آجائے گا اور وہ منتہائے کمال کو پہنچے بغیر انکشاف کی طرف رجوع ہوجائے گا۔ بعض نقادان ادب کا یہ خیال ہے کہ جب افسانہ منتہا کو پہنچ جائے تو اُسے وہیں چھوڑ دینا چاہئے اور اس کو افسانہ کا خاتمہ تصور کرنا چاہئے۔ یہ طریقہ یورپ اور امریکہ کے افسانہ نگاروں میں بہت رائج ہے۔ مگر آسانی سے منتہا کا پتہ لگانا دشوار امر ہے۔ جب کسی افسانہ نگار کا افسانہ ''منتہا'' کو پہنچ جاتا ہے تو اُسے یہ سوچنا پڑتا ہے کہ ان بھیدوں اور رازوں کا انکشاف کس طرح کرے۔ انکشاف میں اختصار اور افسانے کے اصل واقعات کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔[17] افشائے راز میں زیادہ طول پیدا ہوگیا تو افسانہ کی تمام ترخوبیاں ختم ہوجائیں گی۔ اس کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ انکشاف اور خاتمہ کے درمیان ضروری باتیں پیش کر کے افسانے کو ختم کردینا چاہئے۔ اس کے بعد کسی اجمال یا تفصیل کی گنجائش نہیں رہتی۔ اگر اس پر بھی افسانہ تشنہ رہ جاتا ہے تو درحقیقت افسانہ انتہائی خراب اور کمتر درجہ کا تصور کیا جائے گا کیونکہ یہ تشنگی اس امر کا ثبوت ہوگی کہ افسانہ کی فنی تکمیل میں کچھ کمی باقی رہ گئی ہے۔ منتہا پر پہنچنے کے بعد بھی قاری کا اشتیاق اسی طرح قائم رہنا چاہئے جیسا کہ افسانے کی ابتدا میں تھا۔ منتہا، انکشاف اس انداز سے تحریر میں آنے چاہئیں کہ قاری تذبذب کی کیفیت میں پھنس کر رہ جائے۔ اس کا یہ پس وپیش افسانے کے خاتمے تک اس کی اضطرابی کیفیت کو اور بڑھادے گا۔ مگر یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ افسانے کی فضا، اس کا ماحول، اس کی روح اور اس کا انداز از ابتدا تا خاتمہ یکساں رہے۔

افسانہ کے اختتام پر افسانہ نگار کا قلم انتہائی سُرعت اور تیزی کے ساتھ جنبش کرتا ہے۔ کیونکہ اس وقت واقعات کی ہیجانی کیفیت میں سُستی کا پیدا ہونا افسانے کے لئے باعثِ ہلاکت ہوتا ہے

یہی وہ موقع ہوتا ہے جہاں تخیل سے کام لے کر افسانہ کو موثر بنایا جاتا ہے اس وقت کے لئے نقوش نفسیاتی نقطہ نظر سے بھی زیادہ جامع اور دیر پا ہوتے ہیں اور قاری کے دماغ کو تصور اور خیال کی طرف رجوع کر دیتے ہیں۔ بعض نقاد اس امر پر زور صرف کرتے ہیں کہ افسانے کا انجام مختصر اور سادہ ہونا چاہئے۔ مگر ایسا کرنے سے افسانے کی تصور آفرینی[1] ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری امر ہے کہ افسانے کا اختتام بھی اس انداز سے ہو کہ جس انداز سے اس کی ابتدا ہوئی ہو۔ ہر مبتدی افسانہ نگار کو اس امر کا خیال رکھنا چاہئے کہ افسانہ کا خاتمہ ''بیانیہ'' نہ ہو۔ مصنف کو چاہئے کہ وہ افسانے کے درمیان میں اور خصوصاً خاتمہ پر اپنی ذات کا اظہار نہ کرے اور اپنی طرف سے تشریحی بیانات پیش نہ کرے۔ اگر واقعی اس قسم کے بیانات کی ضرورت افسانے کے ختم ہو جانے کے بعد بھی باقی رہ جاتی ہے تو اس وقت اعلیٰ طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک تیسرے کردار کی زبانی کسی صورت سے واقعات بیان کرا دے تاکہ قاری کو مصنف کی تحریر میں کمزوری کا اندازہ نہ ہونے پائے۔

افسانوں کا خاتمہ یک بارگی نہ ہونا چاہئے اکثر افسانے منتہا تک پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف افسانے کو دراصل آگے بڑھا نہ سکا اور وہ اس کو یہیں ختم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ حالانکہ اس میں واقعات کے اضافے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس قسم کے ''ادھورے افسانے'' زبان و ادب کے لئے باعث فخر نہیں ہو سکتے۔ ان کا خاتمہ کردار کے ذریعہ سے ہونا چاہئے۔ فرسودہ اور رسمی طریقہ پر ان کا خاتمہ قاری کے دل و دماغ پر کوئی اثر نہیں چھوڑتا۔

عام طور پر افسانے دو طریقوں پر ختم کئے جاتے ہیں۔ ایک حزنیہ اور دوسرے طربیہ، عہد حاضر میں حزنیہ افسانے زیادہ پسند کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب افسانہ نگار زیادہ تر حزنیہ افسانے لکھتے ہیں۔ ہر انسان رنج و غم کے دل دوز واقعات سے بہت جلد متاثر ہو جاتا ہے۔ حزن پیدا کرنے کے بھی مختلف طریقے رائج ہیں جن سے مختلف درجہ کا حزن پیدا ہوتا ہے۔ مگر عام طریقہ یہ ہے کہ کردار کی موت کو پیش کر دیا۔ یا اس کو ایسی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا جن کی وجہ سے وہ

---
1. Suggestibility

اپنے مقصد کی تکمیل نہ کرسکا۔ بہت سے ایسے افسانے دیکھنے میں آئے ہیں جن کا خاتمہ ''حزنیہ'' ہے حالانکہ طربیہ انجام بہت موزوں ہوسکتا تھا۔ان کے واقعات کی نوعیت، ان کا تسلسل، افسانے کی روح اوراس کی فضا کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ایسے افسانے انجام تک بالکل غیر فطری معلوم ہوتے ہیں۔اس قسم کی کوششیں افسانہ نگاروں کی ادبی موت کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ ہر افسانہ نگار کے پیش نظر مندرجہ ذیل خاکہ ہونا چاہئے:۔
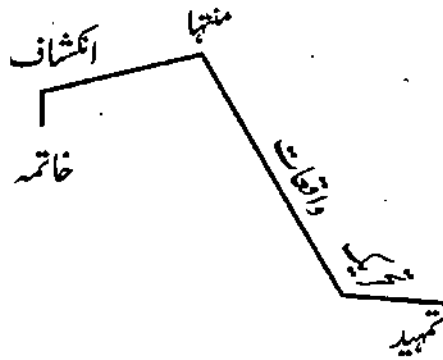
تا کہ ان کا افسانہ افسانے کی منزلیں طے کرتا ہوا تمام ضروری خصوصیات کا حامل ہواوراس کا شمار بہترین افسانوں میں ہو۔کبھی کبھی افسانہ مندرجہ ذیل خاکے کے مانند بھی ہوتا ہے۔
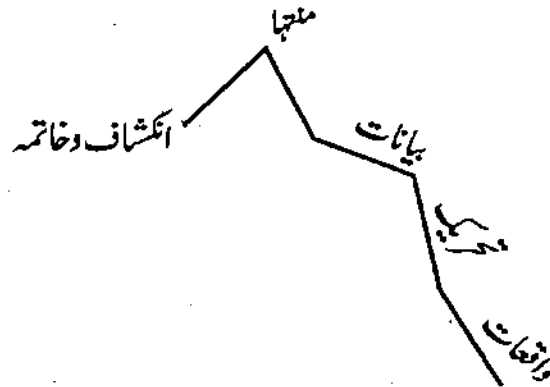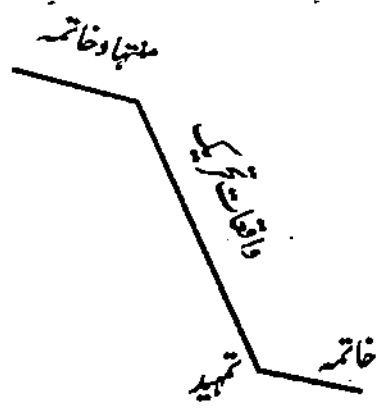
غرض یہ افسانہ نگار کی موزونی طبع پر منحصر ہے کہ اپنے افسانوں کے لئے جو ڈھانچہ چاہے منتخب کرے۔

باب سوم

موضوع، مطالعہ اور مشاہدہ، سرقہ اور افادہ۔ پلاٹ

موضوع

یہ کون نہیں جانتا کہ دنیا میں کوئی چیز نئی نہیں ہے اور افسانہ کے موضوع بھی نئے نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں جس طرح کی چیزیں ہیں اور جتنے بھی واقعات ہیں سبھی صنفِ ادب کے موضوع قرار دیے جا چکے ہوں گے اور ان پر کسی نہ کسی نظریہ کے تحت میں بحث ہو چکی ہوگی۔ مگر یہ کہہ دینا زبردست غلطی ہوگی کہ تمام تر چیزوں میں کوئی ندرت اور عجوبہ پن نہیں رہا اس لئے ان پر قلم اٹھانا بے سود ہے۔ مگر میرے نزدیک اپنی فرسودہ اور پامال شدہ کو نئے زاویے، نئے انداز اور نئے طرز سے پیش کرنا ہی ان کو نیا بنانا ہے۔ دنیا کے تمام افراد کی قابلیت یکساں نہیں ہوتی۔ وہ مختلف ماحول اور مختلف دور میں پرورش پاتے ہیں۔ ان کی دماغی قوتیں بھی مختلف ہوتی ہیں اسی وجہ سے جب ہر فرد ایک ہی موضوع پر قلم اٹھاتا ہے تو ہر ایک کی تحریر ایک خاص نوعیت لئے ہوتی ہے اور ان میں بین فرق معلوم ہوتا ہے۔ ان کے پیش کرنے کا یہی انداز ان کو نیا بنا دیتا ہے۔ ماہرین ادب کی یہ رائے ہے کہ دنیا میں جس قدر لوگ ہیں وہ مندرجہ ذیل کے تحت میں آتے ہیں۔

(۱) جنس یا سیکس (۲) حصولِ قوت

مختلف ملکوں کے ادب پر نظر ڈالنے سے تجربہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا موضوع کے تحت میں تمام چیزیں آجاتی ہیں۔ مگر زیادہ تر جنس یا سیکس کو ادب ہی قرار دیا گیا ہے۔ ناول، ڈراما، شاعری، طویل افسانے سب مرد وعورت کی محبت پر مشتمل ہیں۔ افسانوی ادب پر غور کرنے سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ 75 رفیصدی افسانے بھی جنس یا سیکس پر لکھے گئے ہیں مگر افسانوں میں محبت محض سطحی ہوتی ہے۔ یہ ہر افسانہ نگار کا اولین فرض ہوتا ہے کہ وہ عورتوں اور مردوں کی زندگی کا مطالعہ کرے اور اس کے ایک ایک پہلو پر غور وخوض کر کے خاص نتائج نکالے۔ دوسرے الفاظ میں اس کو یوں سمجھئے کہ وہ عورتوں اور مردوں کا اس نظر سے مطالعہ کرتے وقت اپنا کوئی خاص نظریہ پیش نظر رکھے تاکہ اس کو یہ معلوم ہو سکے کہ ان کی کون سی حرکت کس جذبہ کے تحت میں ہے اور وہ کس کے مقصد کی تکمیل کے لئے استعمال ہوسکتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جذبات اور احساسات کا وسیع مطالعہ بھی اس کے لئے از بسکہ ضروری ہے۔ ہر انسان میں رنج وغم، خوشی وطرب اور خوف وہراس کے جذبات موجود ہوتے ہیں وہ بیک وقت ان تمام جذبات کو اپنے افسانے کا موضوع نہیں بنا سکتا۔ اس کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی جذبہ کا بغور مطالعہ کرے اور پھر اس پر اپنے افسانے کے وسیع اور بلند پایہ عمارت تعمیر کرے۔

جہاں تک ''موضوع'' کی نوعیت کا سوال ہے ہر شے افسانے کا موضوع بن سکتی ہے۔ مگر ہر موضوع کو اختیار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ بعض ایسی چیزیں ہیں جن کا بیان کرنا حقیقت نگاری ہوگی۔ جو ہماری روزانہ کی زندگی میں دن رات ہمارے سامنے پیش ہوتی رہتی ہیں مگر ہماری سوسائٹی اور تہذیب اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم انھیں صفحۂ قرطاس پر پیش کرسکیں۔ اس لئے کہ وہ تہذیب سے گری ہوئی باتیں تصور کی جاتی ہیں اور پھر بعض مواقع ایسے آجاتے ہیں جہاں ان اشیا کو پیش کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ ایسے مقام پر افسانہ نگار کو زبان کے پردے میں تمام باتیں پیش کرنا پڑتی ہیں وہاں پر اس کے قلم کی سرعت اور واقعات کی تحریک میں کمی ہوجاتی ہے۔ اور جب وہ اس دشوار گزار وادی سے گزر جاتا ہے تو اس کے قلم میں پھر وہی روانی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس مقام پر موضوع اور اس کی نوعیت کے سلسلہ میں مسٹر۔ ایچ۔ جی۔ ویلز کا نظریہ پیش کرنا

ضروری ہے:

''دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو مختصر افسانے کا موضوع بن سکتی ہیں۔ مگر کامیاب افسانہ نگار وہی ہے جو ایسے موضوع کا انتخاب کر کے افسانہ لکھے جس پر افسانہ لکھنا کسی طرح ممکن نظر نہ آتا ہو''

مسٹر۔ ایچ۔ جی۔ ویلز کا خیال ہے کہ دنیا میں صرف وہی 'موضوع' اپنی افسانہ نگاری کے لئے مناسب نہیں ہیں جن پر طبع آزمائی کی جا چکی ہے۔ ایسی چیزیں بھی ہیں جن کو ہم دیکھتے ہیں مگر کوئی اہمیت نہیں دیتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر کوئی افسانہ نہیں لکھا جا سکتا۔ ان کا خیال ہے کہ عام اور فرسودہ موضوعات پر قلم اٹھانا اور ایک ادنیٰ درجہ کا افسانہ لکھ دینا زیادہ آسان ہے۔ کامیاب افسانہ نگار وہی ہو سکتا ہے جو ایسے موضوع پر افسانہ لکھے جو ظاہراطور پر افسانے کے لئے موزوں نہ معلوم ہوتا ہو۔ مگر ایسی کوشش ایک مبتدی افسانہ نگار کے لئے بہت زیادہ نقصان دہ ہوگی۔ ایک مبتدی کو یہ چاہئے کہ وہ اس پر غور کرے کہ کس قسم کے افسانے اس کو بہت مرغوب ہیں۔ اگر وہ افسانے لکھنا شروع کرے تو اسے یہ سوچنا چاہئے کہ وہ کس قسم کے افسانوں کو انتہائی کامیابی کے ساتھ ضبط تحریر میں لا سکے گا۔ اس طرح اپنی ذاتی استعداد اور اکتسابی لیاقت کا اندازہ لگا کر اُسے اپنے قلم کو جنبش دینا چاہئے کیونکہ افسانہ نگاری کا تعلق افسانہ نگار کے فطری رجحان سے ہوتا ہے۔ اُسے کسی خاص قسم کے افسانے لکھنے کے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

اسی سلسلہ میں اتنا کہنا ضروری ہے کہ مبتدی افسانہ نگار کو جس قسم کے افسانے پسند ہوں وہ اسی طرز کے بلند پایہ افسانہ نگاروں کے مستند اور بلند پایہ افسانوں کو پڑھے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے افسانوں میں دوسرے افسانہ نگاروں کے تخیلی بلند پروازیوں کو پیش کرنے لگے اور اسی کا رنگ ان میں زیادہ نمایاں ہو جائے اور مبتدی افسانہ نگار کی طرز نگارش پر اس کا طرز غالب ہو جائے اور اس کی انفرادیت ان کے اثرات میں مدغم ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کے افسانوں کی خوبیوں کو اپنا کر کے پیش کرنا ہی غلطی ہے کیونکہ قاری کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس افسانہ نگار کے افسانے فلاں مشہور افسانہ نگار کے افسانوں کا چربہ ہیں۔ اس طرح ان کی وقعت اور کم ہو جاتی ہے۔

ہر افسانہ نگار کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ایسا موضوع منتخب کرے جس کے متعلق اسے کافی واقفیت ہو اور جو اس کی فطرت سے بہت کچھ مناسبت رکھتا ہو اگر افسانہ نگار کا فطری رجحان کثیف اور گندے جذبات کی طرف ہے اور وہ چاہتا ہے کہ قاری کے گندے جذبات ابھارے تو وہ ایک فنکار کی عظمت حاصل نہیں کر سکتا۔ موضوع کو اچھا یا برا بنا کر پیش کرنے والا خود افسانہ نگار ہوتا ہے۔ واقعات کے صرف تاریک پہلو کو پیش کرنا ہی ایک افسانہ نگار کا فرض نہیں ہے، اسے ان واقعات کے روشن اور نمایاں پہلوؤں پر بھی چند لمحات صرف کرنا ضروری ہیں۔ بعض افسانہ نگار ہمہ گیری کا دعوی کرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر موضوع پر قلم اٹھا سکتے ہیں۔ ان کے یہ رشحات قلم ان کی بقا کا باعث بن سکتے ہیں۔ دراصل ان کے یہ افسانے ان کی بدنامی کا باعث ہوتے ہیں۔ وہی موضوع ان کو حیات ابدی عطا کر سکتے ہیں جن کو وہ اپنی خداداد ذہانت اور جدت طرازی سے غیر فانی بنا سکتے ہیں۔ اس کا واحد طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے افسانے میں حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ تخیلی بلند پروازیاں بھی پیش کریں تاکہ اس کا افسانہ عالم مثالی کا ایک اعلیٰ نمونہ معلوم ہو۔ وہ محض خیالات کا مجموعہ نہ ہو بلکہ حقائق دنیاوی کا مجسمہ ہو۔

مبتدی افسانہ نگاروں کو شہرۂ آفاق افسانہ نویس بننے کے لئے اپنا ایک خاص طرز اور ایک خاص انداز تکمیل پیدا کرنا چاہئے۔ ان کا انفرادی اسلوب افسانے میں نمایاں رہے۔ انگریزی زبان میں اکثر و بیشتر افسانہ نگار ایسے ہیں جنھوں نے اپنی انفرادیت کو تباہ کر دیا۔ انھوں نے دوسرے افسانہ نگاروں کے موضوع اختیار کئے اور ان کو اپنے ہی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ انفرادیت کا بہت کچھ انحصار موضوع کی تلاش و جستجو اور اس کے انتخاب پر بھی ہوتا ہے۔ بہت سے افسانہ نگار ایسے گزرے ہیں جنھوں نے رڈیاڈ کپلنگ کے افسانوں کا چربہ اتارنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا کوئی افسانہ بھی اوریجنل (Orignal) نہ رہا۔ اس لئے ہر افسانہ نگار کو انگریزی زبان کے ایک مصنف کا یہ زرّیں اصول یاد رکھنا چاہئے:۔

> ''موضوع کا انتخاب ہر افسانہ نگار کو خود ہی کرنا چاہئے اور اپنا انفرادی طرز تحریر بھی خود ہی پیدا کرنا چاہئے۔ فنی تکمیل کا طریقہ ضرور سیکھا جا سکتا ہے مگر کورانہ تقلید تباہی اور بربادی کا باعث ہوتی ہے۔''

مطالعہ اور مشاہدہ

بغیر مطالعہ اور مشاہدہ کے کسی شئے کو فنی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ بعینہٖ یہی حال مختصر افسانوں کا بھی ہے۔ مطالعہ اور مشاہدہ دونوں ہر افسانہ نگار کے لئے بہت ضروری ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ مشاہدۂ کائنات ایک نئے زاویے سے کرتا ہے اور اس کے متعلق ایک علیحدہ رائے بھی رکھتا ہے۔ مطالعہ کتب میں بھی وہ یہی طریقہ پیش نظر رکھتا ہے۔ سڈنی۔ اے۔ موسلے نے اپنی کتاب ''مختصر افسانہ نویسی'' میں یہ تحریر کیا ہے:

> ''میرے ایک دوست مشہور افسانہ نگار ہیں۔ وہ نہ صرف انگلستان کے رسائل و اخبارات میں افسانے بھیجتے ہیں بلکہ امریکہ کے مقتدر رسائل میں بھی اپنے افسانے شائع کراتے ہیں۔ وہ اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں کے افسانے پڑھنے کے سخت خلاف ہیں۔ شاید انھوں نے پچاس سال سے اپنے کسی ہم عصر کا کوئی افسانہ نہیں پڑھا...... انھوں نے صرف کسی اصول کی بنا پر اس کو گوارا نہیں کیا...... اصل وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی انفرادیت کو ختم کرنا نہیں چاہتے۔ ان کا خیال ہے کہ ان کا کارنامہ جو کچھ بھی ہے خواہ اچھا یا برا...... اپنی جگہ پر ایک انفرادی شان کا مالک ہے۔ اس میں کسی کے خیالات اور کسی کے طرز کا عکس موجود نہیں...... اس میں ان کے ذہنی ارتقا کی تصویریں موجود ہیں...... جو کچھ بھی ہے ان کے دماغ کی پیداوار ہے...... اگر وہ کسی کا افسانہ پڑھیں گے تو اس افسانہ نگار کے خیالات اور اس کا طرز ان کے دل و دماغ پر حاوی ہو جائے گا اور کسی نہ کسی وقت وہ اثرات ان کی تحریروں میں نمودار ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ موجودہ افسانہ نگاروں کے بہت کم افسانے پڑھے جانے کے قابل ہیں۔''

مگر میری رائے میں ایسا کرنا سخت غلطی ہے۔ افسانہ نگار کو اپنے عہد کے افسانوں کو ضرور پڑھنا چاہئے تا کہ اس کو اس عہد کے رجحانات کا بخوبی اندازہ ہو جائے اور یہ پتہ لگ جائے کہ

سوسائٹی کی کون کون سی برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بھی کن کن کی اصلاح کرنا باقی ہے کیونکہ افسانہ کی وہ بلند پروازیاں جو محض قوت تخیل اور قوت اختراع کی بنا پر پیدا کی جاتی ہیں قابل قدر نہیں ہوتیں۔ ان میں جب تک ذاتی تجربہ کو دخل نہ ہوگا وہ معراج کمال پر نہیں پہنچ سکتیں۔ اس نقطۂ نظر سے عہد حاضر کے افسانوں کا مطالعہ ضروری ہے کہ کہاں پر کس مصنف نے سوسائٹی کے کس پہلو کو کس طرح پیش کیا ہے؟ اس میں کون سی کمی باقی رہ گئی ہے اور وہ کس طرح دوسرے افسانے میں اچھی طرح پیش کی جاسکتی ہے۔ مگر یہ مطالعہ محض تفریحی نہ ہونا چاہئے۔ تفریحی مقصد تو ایک قاری کا ہوسکتا ہے مگر ایک افسانہ نگار کا نہیں۔ اسے یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی فنی تکمیل کس طرح کی گئی ہے۔ مواد کہاں سے حاصل کیا گیا ہے؟ اور اس کے انتخاب میں کیا خاص بات ہے؟ اس طرح اُسے اپنی اور دیگر افسانہ نگاروں کی قابلیت اور تحریر کا مقابلہ کرنے کا موقع ملے گا۔ میرے خیال کے مطابق ہر افسانہ نگار کو اپنے معاصرین کے افسانوں کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنا ازبس ضروری ہے۔ اردو زبان کے افسانہ نگاروں کے لئے غیر زبانوں کے افسانوں کا مطالعہ ان کی نظر میں وسعت پیدا کردے گا۔ مسٹر۔ ایچ۔ جی۔ ویلز، مسٹر۔ او ہنری اور مسٹر ہارڈ نگ ڈیوس کے افسانوں کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا۔ ان کے علاوہ فرانسیسی افسانہ نگاروں کے افسانے بھی کارآمد ثابت ہوں گے۔

ہر افسانہ نگار کو ایک کاپی (Idea Copy Book) ایسی بنانی چاہئے جس میں وہ وقتاً فوقتاً اپنے نئے اور اچھوتے خیالات درج کرتا رہے۔ ممالک غیر کے افسانہ نگاروں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں یا کسی موضوع پر غور وخوض کرتے ہیں تو اس کاپی کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں ان کو کوئی اچھوتا خیال حاصل ہوا انھوں نے فوراً اسے اس نوٹ بک میں درج کرلیا۔ جب کبھی دو چار سال کے بعد کوئی ایسا موقع آیا تو انھوں نے اس کو نئے اسلوب اور نئے انداز سے اپنا بنا کر پیش کردیا روزانہ زندگی کا عمیق مطالعہ بھی واقعات کی فراہمی میں بہت مدد کرتا ہے۔ روزانہ کے واقعات پل پل کی تبدیلیاں۔ ہر وقت کی بات چیت اور رسم ورواج میں افسانہ نگاروں کے لئے نئی نئی باتیں موجود ہوتی ہیں مگر ان پر صرف غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

مطالعہ کے ساتھ ساتھ مشاہدہ بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ وہ افسانہ نگار انسانی زندگی سے متعلق کبھی کامیاب افسانے پیش نہیں کرسکتا جو اپنے ماحول اور اپنی روزانہ زندگی کی باتوں پر غور و فکر کر کے نتائج اخذ کرنے کا عادی نہ ہو۔ اسے یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کے اردگرد کے مناظر اور ذیلی واقعات اس کے افسانے کا کوئی حصہ بن سکتے ہیں یا نہیں۔ کیا وہ افسانہ نگار کے لئے کوئی پیغام لے کر آئے ہیں جن کو وہ سمجھ کر دوسروں تک پہنچا دے؟ اسے اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ ایک انسان کی غلطی سے دوسرے پر اس کا کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ سڑکوں اور گلیوں سے گزرتے ہوئے اُسے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں۔ اگر کوئی واقعہ ظہور میں آ رہا ہو تو خاموشی کے ساتھ وہیں کھڑے ہو کر اس کا مشاہدہ کرنا چاہئے اور اس پر غور کرنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہوا؟ ابتدا میں افسانہ نگار کو ہر چیز کسی خاص نوعیت کی حامل نظر نہ آئے گی۔ مگر رفتہ رفتہ دنیا کے راز اس پر کھلتے جائیں گے۔ اسے دنیا کے عیش و آرام اور دنیا کی مصیبتوں کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اسے اس کا بھی علم ہو جائے گا کہ ہنسی، مذاق اور ظرافت کی حقیقت کیا ہے؟

اکثر افسانہ نگاروں کے یہاں اوریجنل موضوع نہیں ملتے اور نہ پلاٹ ہی کسی خاص نوعیت کے ہوتے ہیں۔ پھر بھی وہ اپنی زندگی میں بہت زیادہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ غور و فکر کے عادی ہوتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو انسان دیکھتا ہے اپنا دھندلا سا نقش انسان کے دماغ پر چھوڑ دیتی ہے۔ مگر وہ دیرپا نہیں ہوتا۔ اگر وہ اسے اجاگر کر کے اور زیادہ موثر بنا کرنئے ڈھنگ سے پیش کر دیتا ہے تو وہ چیز بالکل نئی معلوم ہونے لگتی ہے۔ ہر افسانہ نگار میں یہ خوبی نہیں پائی جاتی۔ اسی سلسلہ میں سُنی سنائی باتوں کا تذکرہ بھی ضروری ہے دوسروں کے زندگی کے تلخ و شیریں تجربات سے بھی افسانہ نگار فائدہ حاصل کرسکتا ہے مگر یہ کام صرف کہنہ مشق افسانہ نگار ہی کر سکتے ہیں، کیونکہ تجربات سن کر انھیں عملی جامہ پہنانے میں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اس کے تحت میں کون سا خاص خیال[1] موجود ہے۔ اس کے مطابق یا اس کو کامیاب بنانے کے لئے کون سے کیرکٹر کی ضرورت ہوگی۔ سب باتیں فراہم کر لینے کے بعد واقعات کی تحریک اور طرز نگارش پر غور کرنا ہوگا۔ مگر یہ طریقہ بہت دشوار ہے۔ ذرا سی لغزش افسانہ نگار کی محنت کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ بہتر

---

1. Contact Idea

طریقہ یہی ہے کہ وہ روزانہ زندگی کے واقعات کو خود دیکھے کیونکہ اسے سینکڑوں واقعات سے روزانہ دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے اس کی وہی کاپی[1] اس کی مدد کرتی ہے۔ بڑے بڑے واقعات دو دو سو اور تین تین سو الفاظ میں لکھے جاسکتے ہیں۔ اگر مشاہدہ کے بعد یہ جانچا جائے کہ کون کون سے واقعات میں جان ہے اور کون کون سے مردہ ہیں تو افسانہ نگار کے لئے پلاٹ کی کمی نہ ہوگی۔ وہ کردار کا انتخاب کر کے اور پلاٹ بنا کر بہ آسانی افسانے لکھ سکے گا۔ بہر صورت افسانہ نگار کو مشاہدہ کا عادی ہونا ضروری ہے۔ عبدالقادر سروری صاحب دنیائے افسانہ میں مشاہدہ کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

> ''عمیق مشاہدہ ہر نظر کا کام نہیں۔ اس کے لئے ایک چشم بصیرت چاہئے۔ سطحی نظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ نظر کے سامنے ہے اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں حالانکہ تھوڑے سے عرصہ کے بعد یہ پتہ چل جاتا ہے کہ ہماری محدود نظریں ایک مختصر سے کمرے کی ساری کائنات کے مطالعہ سے عاجز ہیں تو پھر وسیع میدان، پہاڑوں کی سر بہ فلک چوٹیاں، گنجان درخت اور ہنگامہ خیز شہروں میں وہ کیا کیا دیکھ سکتی ہیں؟ بہت کم بلکہ کچھ نہیں مگر غائر بیں نظروں کے لئے ان میں فطرت کے انمول خزانے پوشیدہ ہیں۔''

سرقہ اور افادہ

ممکن ہے کہ بعض نقاد یہ کہہ گزریں کہ میں نے گذشتہ صفحات میں سرقہ کے ذرائع بتائے ہیں۔ اس سلسلہ میں مجھے صرف اتنا لکھ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ یا کوئی قصہ کسی خاص مصنف کی ملکیت نہیں ہوتا۔ ایسے ہزاروں واقعات اور قصے موجود ہیں جن پر سیکڑوں اہل قلم طبع آزمائی کر چکے ہیں۔ دنیا کے ہر فرد کی وہ ملکیت ہیں اور ہر فرد ان کا دعوے دار ہوسکتا ہے۔ وہ عوام کی ملکیت ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے استعمال کا حق ہر فرد کو حاصل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں خیال فلاں مصنف کا ہے یا فلاں واقعہ فلاں مصنف نے تخلیق کیا ہے تو میرے خیال میں یہ کسی حد تک صحیح ہے کیونکہ جو چیزیں اور جو واقعات کسی افسانہ نگار کی طبع زاد ہوتے ہیں ان کے

حقوق محفوظ کر لینا دوسری بات ہے مگر یہ "جملہ حقوق محفوظ" کے واقعات بھی اگر تلاش کئے جائیں تو کہیں ضرور مل جائیں گے۔ کسی مضمون میں کوئی واقعہ ضمنی طور پر بھونڈے طریقہ سے پیش کیا گیا ہوگا۔ غرض کہ تلاش و جستجو یہ بھی بتادے گی کہ وہ ان کے دماغی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے۔

اس موقع پر سرقہ اور افادہ کا فرق نمایاں کر دینا بھی ضروری ہے۔ 'سرقہ' دراصل زبردست ادبی جرم ہے۔ سرقہ صرف کسی کتاب یا کسی تحریر کے اقتباسات لے کر شائع کرنے ہی کو نہیں کہتے بلکہ کسی کے پلاٹ کو اپنا بنا کر پیش کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسروں کے افسانے کو افسانہ نگار اپنے نام سے شائع کرا دیتے ہیں۔ ایسی حرکتیں یقیناً قابلِ مذمت ہیں۔ وہ ان کے لئے سودمند نہیں ہوتیں۔ ایسے افسانہ نگار خیال اور مواد حاصل ہو جانے کے باوجود بھی دوسروں کے محتاج رہتے ہیں۔ خداوند عالم نے جو ان میں غور و فکر کی قوت ودیعت کی ہے وہ رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے۔ کسی افسانہ نگار کے کسی خاص افسانے سے ناقدین ادب کا اختلاف دوسری چیز ہے، وہ نئے نئے نتائج مرتب کرنے کی کوشش کرتا رہے گا۔

روزانہ اخبار پڑھ کر ان سے افادہ حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ ان میں سیکڑوں واقعات ایسے ہوتے ہیں جو بآسانی افسانے کا موضوع بن سکتے ہیں۔ اگر افادہ حاصل کرنا ہے تو اخبار، ماحول، روزانہ زندگی کے واقعات اور کتابوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اخبارات کے اکثر واقعات ایسے ہوتے ہیں جو تخیل کی مدد سے پلاٹ میں تبدیل کئے جا سکتے ہیں۔ اگر پرانے اخبارات مل جائیں تو افسانہ نگار کو ان کا مطالعہ کرنا چاہئے کیونکہ ان کے واقعات بھی افسانے کی تدریجی ارتقا میں مدد کرتے ہیں۔ یہ سرقہ نہیں ہوتا بلکہ افادہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ افادہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک افسانہ نگار کسی خبر یا واقعہ کو پڑھ کر اس میں اپنی جدت طبع سے افسانوی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ افادہ حاصل کرنے والے کو مختلف علوم و فنون پر بھی حاوی ہونا چاہئے تاکہ وہ ان سے افادہ حاصل کر کے اپنے افسانوں میں جذبہ اور اثر پیدا کر سکے۔

پلاٹ

اس کتاب کے گزشتہ صفحات میں یہ تحریر کیا جا چکا ہے کہ آسمان کے نیچے کوئی چیز نئی نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ افسانوں کے نئے پلاٹ بھی مفقود ہیں۔ مگر دنیا میں جس قدر واقعات پلاٹ

کی ترتیب کے لئے دستیاب کئے گئے ہیں وہ سب کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ ایک مرتبہ سرآرتھر کوئی لر کاؤچ (Sir Arthur Quiller Couch) نے شکسپئر (Shakespeare) اور چارلس ڈکنس (Charles Deckens) کے بارے میں یہ تحریر کیا تھا کہ اول الذکر کے پاس صرف تین پلاٹ تھے اور آخرالذکر کے پاس صرف ایک۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ شکسپئر کے کردار کے جذبات تین طرح سے پیش کئے جا سکتے ہیں اور چارلس ڈکنس کے صرف ایک۔ وہ کسی صدی کا قصہ کیوں نہ پیش کریں مگر ان سے جو نتائج مرتب کرتے تھے بالکل اچھوتے اور نئے ہوتے تھے۔ اس کے باوجود بھی ان کے قصوں کی محرک ''نیکی'' یا ''بدی'' ہوتی تھی جو کہ سوسائٹی میں قدم قدم پر ملتی ہے۔

افسانہ نگار کے روبرو دنیا کے تمام تر واقعات موجود ہوتے ہیں۔ یہ اس کی خوشی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ ان میں سے کون سے واقعات انتخاب کر کے اور ان کو ترتیب دے کر کامیابی حاصل کرے اور کون سے چھوڑ دے۔ اور ان کو کس طرح ترتیب دے اکثر افسانہ نگار پہلی ہی بار واقعات انتخاب کر کے ان کو ترتیب دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اپنی ضرورت کے مطابق پلاٹ تیار کر لیتے ہیں۔ مگر ناکامیاب افسانہ نگار ہراساں اور پریشان ہو کر دوسروں کے افسانوں سے سرقہ کرنے لگتے ہیں۔ ایسے افسانہ نگار بھی ہیں جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعہ کی بنا پر خود پلاٹ تیار کریں۔ کسی اخبار کی کوئی نمایاں خبر ان کے افسانہ کے پلاٹ کی تکمیل کے لئے کافی ہوتی ہے۔ دراصل ''پلاٹ'' مصنف کو اس کے ماحول سے حاصل ہوتے ہیں جس میں وہ اپنی زندگی گزارتا ہے۔ مگر پلاٹ کی ترتیب اسٹیونسن (Steuenson) کے خیال کے مطابق تین طرح سے عمل میں آتی ہے۔ یہ اس کا خیال ہے کہ کوئی افسانہ اس وقت تک بلند پایہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ کردار اور واقعات افسانے میں مطابقت نہ کرتے ہوں۔ اس کے خیال کے مطابق اولین طریقہ یہ ہے کہ افسانہ نگار پہلے کردار کا انتخاب کرے۔ یہ کردار بھی ہماری روزانہ زندگی کے کسی فرد کا تجربہ ہوتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے واقعات چُن لے پھر ان کی موزونیت کے لحاظ سے کردار کا انتخاب کرے۔ اس طرح پلاٹ مکمل ہوگا۔ پلاٹ اور کردار میں ہم آہنگی ہونا از حد ضروری ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ واقعات اور کردار کا انتخاب کئے بغیر کسی خیال یا واقعہ کے سامنے آتے ہی افسانہ لکھنا شروع کر دیا۔ ضرورت کے مطابق اس میں واقعات کا اضافہ کرتے

گئے۔ مگر یہ طریقہ مستحسن نہیں ہوتا۔ ایسے افسانہ نگار کبھی معیاری افسانے نہیں لکھ سکتے۔ کیونکہ پلاٹ دراصل واقعات کی ادبی اور فنی تکمیل کا دوسرا نام ہے جس کے ذریعہ سے حیات انسانی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیا جاتا ہے۔ ہڈسن (Hudson) ان واقعات کو جو کردار افسانہ سے سرزد ہوتے ہیں پلاٹ کہتا ہے۔ مگر ایڈ گر ایلن پُو کا یہ خیال ہے کہ واقعات جو کردار کو پیش آئیں دلچسپ ضرور ہوں اس کے نزدیک وہ پلاٹ نہیں جس میں جاذبیت دلکشی اور دلچسپی نہ ہو۔ واقعات کا فطری ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر وہ غیر فطری معلوم ہوتے ہیں تو پورا پلاٹ غارت ہو جائے گا۔ واقعات کی ترتیب بھی ان کی ضرورت اور نوعیت کے لحاظ سے ہونا ضروری ہے۔ بعد کو آنے والے واقعات اگر پہلے آ گئے یا پہلے آنے والے واقعات بعد کو آئے تو پلاٹ کی تمام تر خوبیاں فنا ہو جائیں گی۔

ای۔ ایم۔ جل (E.M.Gill) نے اپنی ایک مشہور کتاب میں یہ تحریر کیا ہے کہ "فطری" واقعات اس وقت دستیاب ہو سکتے ہیں جب کہ انسانی فطرت کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔ اس کا خیال ہے کہ ہر عورت کی زندگی میں ایک نہ ایک واقعہ ایسا ضرور گزرتا ہے جو افسانہ کا بہترین پلاٹ بن سکتا ہے۔ یہی حال ہر مرد کا بھی ہے۔ اگر کبھی بازار میں کوئی فقیر کچھ طلب کرے تو فوراً اسے کچھ دو مگر اسے چھوڑ کر نہ چلے جاؤ۔ بلکہ ذرا توقف کرو، اس کی حالت کا بغور جائزہ لو اور اس سے چند سوالات کرو۔ جس سے اس کا امر کا اندازہ ہو سکے کہ اس نے فقیری کیوں اختیار کی؟ اسی طرح اپنے پڑوسی سے یہ دریافت کرو کہ تم نے سگریٹ پینا کیسے شروع کی؟ کس طرح اور کیوں؟ وہ کوئی نہ کوئی واقعہ ایسا ضرور بیان کرے گا جو افسانے کا بہترین پلاٹ ثابت ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ ہر مرد اور ہر عورت کی زندگی میں کچھ باتیں ایسی گزرتی ہیں جو ہر کس و ناکس سے نہیں کہی جا سکتیں۔ ہاں افسانہ نگار اگر ان کے ساتھ مخلصانہ طریقہ سے پیش آئے تو وہ اسے بتائی جا سکتی ہے۔

افسانہ نگار کو پلاٹ حاصل کرنے کے لئے اپنے اندر ایک اور خوبی پیدا کرنی چاہئے۔ اسے چاہئے کہ وہ بلا ضرورت اور بلا اجازت باتیں نہ کرے۔ دوسروں کی باتوں کو سُن کر ان پر غور کرنے کی عادت پیدا کرنی چاہئے۔ اگر وہ خود زیادہ بولے گا تو اس سے دوسروں سے بہت کم نفع حاصل ہو سکے گا۔ دوسروں کی گفتگو میں ہی اسے اکثر ایسے پلاٹ مل جاتے ہیں جن کی تلاش میں وہ حیران رہتا ہے۔

سرقہ یا افادہ کے تحت یہ بتایا جاچکا ہے کہ اخبارات کے کالم بھی ''مواد'' کی فراہمی کا بہت اچھا ذریعہ ہوتے ہیں، ان سے پلاٹ کی ترتیب میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ افسانہ نگار کے لئے اخبار کے وہ کالم بھی پڑھنا ضروری ہیں جو دنیا والوں کے لئے خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ ان میں افسانوں کے پلاٹ پوشیدہ رہتے ہیں۔ دیہاتی زندگی سے متعلق خبریں عشقیہ واقعات کی مرہون منّت ہوتی ہیں جو افسانے کے لئے بہت اچھے پلاٹ کا کام دے سکتی ہیں۔ اکثر اس قسم کی خبریں کہ ''فلاں شہر میں بیس برس کے بعد واپس آیا حالانکہ لوگوں کو اس امر کا یقین ہوگیا تھا کہ اس کا انتقال ہوگیا۔'' ذرا سی تخیلی کارگزاری سے پلاٹ میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔ اس طرح کے واقعات مثلاً دن دہاڑے ڈاکہ پڑنا۔ زمین کو کھودتے ہوئے پرانی میّت نکلی، فیصلہ نے ہل چل ڈال دی، مہاجنوں کا پراسرار قتل، جیب صاف، ٹکٹ بابو نے رشوت لی۔ وغیرہ وغیرہ۔ افسانے کے پلاٹ کے لئے بہت عمدہ مواد فراہم کرسکتے ہیں۔ غرض ایک افسانہ نگار کو صبح، دوپہر، شام، غرض ہر وقت افسانہ کا مواد بغیر کسی مزید تکلیف کے حاصل ہوسکتا ہے۔

تمہید کے بعد ہی پلاٹ کی ابتدا ہوجاتی ہے۔ کبھی کبھی افسانوں میں تمہید نہیں ہوتی۔ افسانہ واقعات پلاٹ ہی سے شروع ہوجاتا ہے۔ واقعات کے انتخاب کے بعد انھیں ترتیب دی جاتی ہے اور افسانے کی ضرورت کے مطابق ان میں کبھی اضافہ اور کبھی ترمیم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ واقعات میں تحریک پیدا ہوتے ہی افسانہ ''منتہا'' کی طرف بڑھتا ہے اور جب واقعات انتہائی بلندی پر پہنچ جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ افسانہ منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ اس کا پلاٹ مکمل ہوگیا۔ کیونکہ پلاٹ کے ارتقا کا لازمی نتیجہ منتہا ہوتا ہے۔ منتہا پر کوئی ایسا واقعہ محض استعجاب یا خوف وہراس پیدا کرنے کے لئے نہ پیش کرنا چاہئے جس کا کوئی تعلق افسانے سے نہ ہو۔

پلاٹ دراصل دو طرح کا ہوتا ہے۔ منظم اور غیر منظم۔ منظم پلاٹ میں واقعات کردار کے گرد جمع کردیے جاتے ہیں اور افسانہ سے ایک پلاٹ مرتب کرلیا جاتا ہے۔ اس میں واقعات کا کردار سے اور کردار کا واقعات سے مطابقت کرنا از حد ضروری ہے۔ مگر غیر منظم پلاٹ میں کوئی ترتیب پیش نظر نہیں ہوتی۔ پھر بھی وہ دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(1) سادہ اور (2) مخلوط۔

سادہ وہ پلاٹ ہوتا ہے جس میں قصہ در قصہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ہی افسانہ از ابتدا تا انتہا پیش کیا جاتا ہے۔مگر مخلوط پلاٹ میں واقعہ در واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ ایک کا تعلق دوسرے سے اور دوسرے کا تیسرے سے ہوتا ہے۔

اکثر مخلوط پلاٹ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جن میں غیر ضروری اور بھرتی کے واقعات بھی پیش کرائے جاتے ہیں پھر بھی پلاٹ کی چند خصوصیات ہیں جن کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔خواہ وہ منظم ہو یا غیر منظم۔مربوط یا غیر مربوط۔سادہ ہو یا مخلوط۔اس کے لئے جدت،سادگی،ترتیب اور تسلسل کا ہونا بہت ضروری ہے۔جس پلاٹ میں یہ خوبیاں نہ ہوں گی وہ کبھی اعلیٰ درجہ کا پلاٹ نہیں کہلایا جاسکتا۔

باب چہارم

کردار نگاری۔ ہیرو۔ ہیروئن۔ ذیلی یا ثانوی کردار۔ غیر ضروری کردار

کردار نگاری

پلاٹ کی تکمیل کے بعد افسانے میں سب سے زیادہ اہم ''کردار'' ہوتے ہیں۔ افسانہ نگار کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیالی کردار کو صفحہ قرطاس پر حقیقی انسانوں کی طرح پیش کرے تا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں۔ وہ اس راز کو بخوبی سمجھتا ہے کہ اس کے کردار کی زندگی میں اس کی بھی ادبی بقا پوشیدہ ہے۔ کردار کا واقعات کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر حقیقت نما ہو جانا افسانے کی کامیابی کی دلیل ہے اور یہ صورت اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ افسانہ نگار واقعات اور کردار کے درمیان حسن انتخاب اور احساس تناسب کو مدنظر رکھتا ہے۔ اکثر افسانہ نگار کردار اور واقعات کی اہمیت کا اندازہ لگائے بغیر افسانہ لکھنا شروع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے افسانوں میں بلندی پیدا نہیں ہونے پاتی۔ نفسیاتی اور معاشرتی خوبیاں افسانے میں صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کہ افسانہ نگار پلاٹ کے ساتھ ''کردار'' پر اپنی پوری توجہ مبذول کرے اور اتحاد زمان ومکاں کے

ساتھ اتحادِ عمل کو بھی مدنظر رکھے۔

جو افسانے غور و خوض کے بعد لکھے جاتے ہیں ان میں دلچسپی اور جاذبیت، کردار کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ افسانہ نگار کردار کا نفسیاتی تجربہ کر کے اس کے اثرات کا بغور مطالعہ کرتا ہے۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ افسانے میں ناول کی طرح کرداری ارتقا پیش کیا جائے۔ افسانہ اپنے اختصار کی وجہ سے پورے طور پر کرداری ارتقا کا حامل نہیں ہو سکتا۔ مگر ان میں کرداری تبدیلیاں ضرور پیش کی جا سکتی ہیں۔ افسانے کا یہ سب سے بڑا حسن ہوگا کہ وہ کسی مرکزی کردار کی کسی خاص عادت پر منحصر کیا گیا ہو اور افسانے کے اختتام تک اس میں مطلوبہ تبدیلی پیدا ہو جائے۔ اس کا صحیح اندازہ کردار کی ابتدائی حالت، اور اختتام کی کیفیت کے مقابلہ سے کیا جا سکتا ہے۔

کردار کی اہمیت کا ''اندازہ'' قاری کو خود بخود ہونا چاہئے۔ افسانہ نگار کو چاہئے کہ وہ ان کا تعارف قاری سے خود نہ کرائے۔ بعض افسانہ نگار ابتدا ہی سے اپنے کردار کی خوبیوں کو مشتہر کرنا شروع کر دیتے ہیں جس سے ان کے بیانات ان کے کردار کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ کردار کی خوبیاں رفتہ رفتہ ان کے افعال کے ذریعہ سے ظاہر ہونی چاہئے۔ کرداروں کی اضطرابی کیفیت قاری کو بہت جلد اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ وہ کردار جن میں کسی قسم کا جسمانی عیب ہو افسانے میں پیش نہ کرنے چاہئیں۔ اگر کوئی خاص کیرکٹر کسی لنگڑے یا لولے، اندھے یا کانے کے ذریعہ سے پیش کرنا ہو تو ان کے پیش کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ مگر یہ بھی بیان نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کی چال ڈھال سے اس کا اظہار ہونا چاہئے۔ یہی حال ذیلی کردار کا بھی ہوتا ہے۔ اس کو بہت کم وقفہ کے لئے افسانہ میں ظاہر کرتے ہیں جو مقصد کی تکمیل کے بعد افسانے سے غائب ہو جاتے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ کردار اپنی خصوصیات کے مطابق چلتے پھرتے کام کاج اور بات چیت کرتے نظر آئیں۔

بسا اوقات افسانہ نگار کو کردار پیش کرتے ہوئے یہ خیال ہو جاتا ہے کہ اس کے افسانے کو اہل عالم اور اہل ذوق پڑھیں گے اس لئے اسے اپنے کردار کو بہت بلند بنانا ہے۔ دل و دماغ میں اس خیال کے گزرتے ہی وہ اس کوشش میں لگ جاتا ہے۔ مگر ایسا کرنے سے اس کا مقصد تو حاصل نہیں ہوتا بلکہ جو واقعات کے لحاظ سے فطری طور پر کرداری ارتقا ہو رہا تھا وہ بھی مفقود ہو جاتا ہے۔

ہر افسانہ نگار کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ قاری اصول افسانہ نگاری سے واقف نہیں ہوتا۔اس طرح اس کے افسانے میں کبھی پستی نہ پیدا ہونے پائے گی۔افسانے کے کردار جو مقصد لے کر اٹھیں انھیں اس کی تکمیل میں ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ جو بات وہ اپنی زبان سے ادا کریں اسے انھیں نبھانا چاہیئے۔غیر ذمہ دارانہ باتیں کردار کی زبان سے نہ نکلنی چاہیئے۔افسانے کے دوران کردار کے مقاصد کا تبدیل کر دینا اصول کردار نگاری کے خلاف ہے۔مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ کردار نگاری میں نشیب وفراز بلندی وپستی کی بھی اجازت نہیں۔ یہی وہ نمایاں خصوصیات ہیں جو کردار کو اور زیادہ اُجاگر کر دیتی ہیں۔

جلدی میں لکھے ہوئے افسانے پورے طور پر کرداری نشوونما کے حامل نہیں ہوتے۔ ہر افسانہ نگار کو چاہیئے کہ وہ ایک افسانہ لکھنے کے بعد اُسے چند روز رکھ دے اور بھول جائے۔ چند ہفتے گزرنے کے بعد اس افسانے کو پڑھ کر اس کے کردار اور ان کے ارتقائی پہلو پر غور کرے تاکہ اُسے کردار کا وہ پہلو جو سب سے اچھا ہو معلوم ہو جائے مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُسے پہلے افسانے سے دور کرنا چاہیئے کیونکہ یہی وہ جگہ ہوتی ہے جس میں غلطیاں موجود ہوتی ہیں اور افسانہ نگار کو اپنی تحریر ہونے کی وجہ سے معلوم نہیں ہونے پاتیں۔ میں نے خود بعض افسانے ایسے دیکھے ہیں جن میں بعض کردار کو غلط طریقہ پر اٹھایا گیا ہے۔کردار جو الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں وہ موقع ومحل اور موضوع کے لحاظ سے استعمال نہیں ہوتے۔مگر الفاظ کا وہ مجموعہ بہت دلکش ہوتا ہے۔ اس کی لفظی خوبیاں مصنف کو خامیوں کی طرف رجوع نہیں ہونے دیتیں۔انگریزی زبان کے مندرجہ ذیل مقولے پر عمل کرنا مفید ہوتا ہے۔

یعنی اپنی عزیز ترین شے کو پہلے دور کرو۔ اس کے دور کرنے میں تمام غلطیاں بھی دور ہو جائیں گی۔ایک غیر ملکی افسانہ نگار کی یہ تحریر بھی ضرور قابل غور ہے:

> ''میں افسانہ لکھنے میں جلدی نہیں کرتا، افسانہ لکھنے کے بعد میں اُسے الماری میں بند کر کے بھول جاتا ہوں، چند روز کے بعد اُسے نقاد کی نظر سے دیکھتا ہوں اور ایک قاری کی حیثیت سے اس پر غور کرتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ میرے کردار کیسے معلوم ہوتے ہیں۔ میں

سنتا ہوں کہ وہ کس طرح بولتے ہیں اور کیا کہتے ہیں۔ میں جب سڑکوں پر
گزرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ راہگیروں میں کون سا ایسا فرد ہے جو میرے
افسانوں کا کیرکٹر بن سکتا ہے۔ کسی شخص کی حرکتیں ایسی ہیں جو میرے
افسانے میں اظہار کر دیں گی۔ ان کے افعال پر غور وخوض کرنا اور ان کے
نتائج سے قبل از وقت آگاہ ہو جانا ضروری ہے تا کہ دوران افسانے میں
کوئی حرکت ایسی نہ ہو جو ان کے اور افسانوی مفاد کے خلاف ہو۔''

ایک ہی افسانہ نگار کے مختلف افسانوں کے مختلف کرداروں میں بعض اوقات یگانگت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ان کا جائزہ لیا جائے تو وہ سب ایک ہی قبیلہ کے افراد نظر آئیں گے۔ اس کو یوں کہیے کہ وہ ایک ہی دماغ کے اختراع کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کے انداز واطوار اور ان کی حرکتوں میں بہت کچھ یگانگت ہوتی ہے۔ یہ یگانگت افسانوں میں اور افسانہ نگاروں کے لئے بہت مفید ثابت نہیں ہوتی ہے۔ اس پر یہ الزام عائد ہو جاتا ہے کہ ان میں قوت تخیل کی کمی ہے یا ان میں اورجنلیٹی موجود نہیں ہے۔ اس کے ذہن میں رسائی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ گھوم پھر کر ایک ہی طرز کے کردار پیش کرتا ہے۔

اس کے بعد یہ ضروری ہے کہ ہیرو اور ہیروئن کے کردار کا جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ یہ دونوں (ہیرو اور ہیروئن) مردانہ اور زنانہ صفات کے حامل ہیں یا نہیں۔ صنف قوی کی صفات کا صنفِ نازک میں پیدا کر دینا اور صنف نازک کی خصوصیات کو صنف قوی سے متعلق کر دینا افسانے کی اصولی موت کا باعث ہوگا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ان میں سے ہمدردی، محبت، خودداری اور خودی کے جذبات مفقود کر دیے جائیں۔ ان کا موقع ومحل کے لحاظ سے ظہور، ہیرو یا ہیروئن کے کرداری تقویت کا باعث ہوگا۔ اگر کوئی ''ظالم'' کردار پیش کیا جا رہا ہے تو اس کا شجاع، دلیر اور جنگ جو ہونا اس کے ظالم ہونے میں مدد دے گا۔ مگر اس وقت اس میں ہمدردی اور محبت کے جذبات نمایاں کر دینا اصول افسانہ نگاری کے منافی ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ افسانہ نگار اس کو ''عیوب'' کا مجسمہ نہ بنا دے۔ ہماری روز کی زندگی میں جو افسانے ہم سے ملتے جلتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے کیرکٹر میں کچھ نہ کچھ خامیاں ضرور ہوتی

ہیں۔ یہ خامیاں اکثر انھیں ذلیل ورسوا کرتی ہیں۔ مگر ان کے ساتھ ساتھ ان کے محاسن کبھی کبھی ان کو سرخرو بھی کراتے ہیں اسی طرح ہیرو اور ہیروئن کا بھی کیرکٹر ہونا چاہئے۔ ان کی وہ خامیاں جو افسانے کے دوران ظاہر ہوں خوبیوں میں تبدیل نہ کی جائیں اور نہ کسی خاص مقصد کی تکمیل کے لئے ان کی خوبیوں کو عیوب میں بدلا جائے۔ جن خوبیوں کو افسانہ نگار ان کی ابتدا میں حامل بناتا ہے انھیں، انھیں کے مطابق افسانے میں حرکت کرنا پڑتی ہے اور وہ غیر فطری ہونے کے بجائے اپنی اخلاقی خوبیوں اور کمزوریوں کے لحاظ سے عین فطرت کے مطابق ہوجاتے ہیں۔

جو خوبیاں یا برائیاں افسانہ نگار اپنے ہیرو اور اپنی ہیروئن کے کردار میں پیش کرتا ہے ہرگز بیان نہ کی جائیں۔ ہیرو اور ہیروئن کی حرکتیں خود بخود ان کی مدد کرسکتی ہیں۔ جب میں موٹر بس میں بیٹھتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ ساتھ کے مسافروں میں کون ایسا ہے جو میرے لکھے ہوئے افسانوں کے کسی کردار سے مشابہت رکھتا ہے، میں اکثر اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ میرے کردار ہماری سوسائٹی ہی کے فرد ہوتے ہیں۔ مگر ان کا مقصد عام انسانوں کے مقاصد سے بہت بلند ہوتا ہے۔

افسانہ نگار اپنے کردار کے لئے ضروری مفاد گھروں، بازاروں، تصویر گھروں، اسٹیشنوں، ریلوں، میلوں اور جلسوں وغیرہ سے حاصل کرسکتا ہے۔ صرف تخیل کی مدد سے بلند کردار کے مقاصد بلند بنا سکتا ہے۔ اگر ابتدا ہی سے خیالی کردار کے مقاصد پیش کئے گئے تو ان کے مقاصد میں بلندی پیدا کرنے کے لئے پھر روزانہ زندگی کے افسانوں کی حرکات وسکنات سے مدد نہیں لینا پڑے گی۔

''ہیرو اور ہیروئن''

اصول کردار نگاری سے واقفیت حاصل ہوجانے کے ہر افسانے کے ہیرو اور ہیروئن ہر لحاظ سے علیحدہ ہونے چاہئیں۔ ان کے اسما کا بھی علیحدہ ہونا ضروری ہے۔ ان کی حرکتیں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہوں مگر ان سب کا انحصار افسانے کے پلاٹ اور اس کی نوعیت پر ہوتا ہے۔ زمانے اور وقت کے ساتھ ساتھ انسانوں کے عقائد اور خیالات میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ فیشن میں روزانہ کوئی نہ کوئی بات داخل یا خارج ہوتی ہے، ہیرو اور ہیروئن کے کردار میں بھی زمانے کی تبدیلیوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ موجودہ زمانے کے افسانے میں قدامت پسند کردار کا پیش کرنا غلطی ہوگی۔ اس طرح عہد ماضی کے افسانے میں عہد جدید کی تہذیب کے حامل کرداروں کا پیش

کرنا افسانے کی تباہی کا باعث ہوگا۔ ملبوسات بھی زمانے اور وقت کے لحاظ سے تبدیل ہونے چاہئیں۔ مگر افسانوں میں ملبوسات کی تبدیلی کے مواقع بہت کم آتے ہیں۔ ملبوسات کی اہمیت ناول کے لئے زیادہ ہے۔ افسانے میں ایک کیرکٹر جس لباس کو پہن کر نمودار ہوتا ہے عموماً افسانے کے اختتام تک وہ اسی میں ملبوس رہتا ہے۔ بعض اوقات افسانہ نگار دوران افسانے میں لباس تبدیل کرانے میں مجبور ہوجاتے ہیں اگر ایسا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ورنہ عام طور پر افسانے میں اس کا موقع نہیں ہوتا۔

افسانوں کی زندگی کا انحصار ان کے ہیرو اور ہیروئن پر ہوتا ہے۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ایک افسانہ اگر ہفتہ وار رسالہ میں شائع ہوا تو اس کی زندگی ایک ہفتہ کی ہوتی ہے اور اگر ایک ماہوار رسالہ میں شائع ہوا تو ایک ماہ۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ ہفتہ وار اور ماہ وار رسالے کے ساتھ ساتھ کسی افسانے کی زندگی کو ختم کر دینا افسانہ نگار پر ظلم ہوگا۔ افسانے کی زندگی کردار کی زندگی سے مطابقت کرتی ہے۔ اگر افسانہ نگار نے زندہ جاوید کردار پیش کئے ہیں تو یقین جانئے کہ افسانہ بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اگر واقعی کردار ایسے ہیں جو سوسائٹی کا ساتھ ایک ہفتہ یا ایک ماہ سے زیادہ نہیں دے سکتے تو افسانہ بھی ان کے ساتھ ختم ہوجائے گا۔

ہیرو اور ہیروئن کے جسمانی عیب کو پیش نہ کرنا چاہئے۔ اگر اس عیب کے پیش کئے بغیر چارہ نہ ہو اور اس سے کیرکٹر کا کرداری ارتقا اور افسانے کے تدریجی ترقی میں فرق آتا ہو تو اُسے ضرور پیش کرنا چاہئے مگر بلاوجہ ہیرو اور ہیروئن کو مسخ کرنا قرین مصلحت نہیں ہوتا۔ اس قسم کے کردار ہیرو بننے کے اہل تصور نہیں کئے جاتے۔

ان دونوں کیرکٹروں کو ہر حالت میں انسانی زندگی کی تمثیل پیش کرنا چاہئے ورنہ ان میں قاری کے لئے کوئی دلکشی باقی نہ رہے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ خود افسانہ نگار اپنے ہیرو یا ہیروئن کو شیر دل بنائے یا بزدل، مفلس بنائے یا مالدار، نیک معاش دکھائے یا آوارہ گرد، فربہ بنا کر پیش کرے یا ضعیف، رومانی فضا کا پرورش یافتہ ہو یا غیر رومانی فضا کا، شہری پیش کرے یا دیہاتی، غیر تعلیم یافتہ دکھائے یا تعلیم یافتہ، تجارت پیشہ ہو یا ملازم، وہ کچھ ہی کیوں نہ بنائے مگر مافوق العادت نہ بنائے، وہ زندہ دل ہونے چاہئیں۔ ان کی ہر حرکت سے زندگی کے آثار

کا اظہار ہو۔ غرض وہ چلتے، پھرتے، کھیلتے کودتے اور غور وفکر کرتے پیش ہونا چاہئیں۔ حقیقت زندگی سے متعلق ہونا کردار کی کامیابی کی دلیل ہے۔ غیر ملکی زبانوں کے افسانوی ادب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں کے کردار روزانہ زندگی کے افراد ہیں۔ ہر زمانے میں حقیقت سے مشابہت رکھنے والے کیرکٹر پسند کئے جاتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جو کیرکٹر آج رسم ورواج کے مطابق پیش کیا گیا ہے سوسائٹی کی تبدیلیوں کی وجہ سے کل غیر فطری معلوم ہونے لگے مگر اس وقت وہ بالکل فطری تھا۔

عہد قدیم کے طویل افسانے اور ناول بادشاہ امرا اور رؤسا سے متعلق ہوتے تھے۔ ان کے یہاں کی عورتیں ہیروئن ہوتی تھیں اور مرد ہیرو۔ جو صفات بادشاہوں میں اور امیروں میں ہوتی تھیں ان کے وہ حامل ہوتے تھے۔ یہی حال عورتوں کا بھی تھا۔ جب کبھی کہیں کوئی دشواری پیش آتی تو کوئی بزرگ کامل اپنی روحانی قوت کے ذریعہ سے ظہور میں آتا اور اس کو حل کر کے واپس چلا جاتا مگر زمانے اور وقت کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اہل قلم کے موضوعات میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی چلی گئی۔ رؤسا اور امرا کا زمانہ ختم ہوگیا۔ ان کے ساتھ ساتھ ان کی خصوصیات بھی رخصت ہوگئیں۔ عہد حاضر میں ہیرو اور ہیروئن دونوں مزدور طبقہ سے پسند کئے جاتے ہیں۔ سرمایہ دار آج بھی قوی ہیں مگر آج وہ اور مزدور دونوں ایک کشمکش کے دور سے گزر رہے ہیں اور ایک دوسرے پر حاوی ہونا چاہتے ہیں۔ پھر بھی زمانے نے یہ بتادیا ہے کہ مزدوروں کی زندگی کا ورق سادہ نہیں ہے، اس میں کچھ دقیقے ہیں جن کی تہہ میں کچھ داستانیں پوشیدہ ہیں۔ ان داستانوں کو پڑھ کر عہد حاضر کے علم بردار اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ رؤسا اور امرا کی زندگی کے واقعات اس قابل نہیں رہے کہ وہ بار بار دہرائے جائیں۔

ہیروئن کے انتخاب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ''دوشیزہ'' ہی ہو اور کسی سے اس کا تعلق نہ ہوا ہو۔ ازدواجی زندگی گزارنے والی عورتیں بھی افسانے کی ہیروئن بن سکتی ہیں۔ ادھیڑ عمر کی عورتیں بھی اس کام کو انجام دے سکتی ہیں۔ غیر ملکی زبانوں کے بعض افسانوں میں بوڑھی عورتوں نے ہیروئن کے فرائض انجام دیے ہیں۔ ''رومانیت'' کو عہد حاضر کے افسانہ نگاروں نے افسانہ کے لئے ضروری بنادیا ہے۔ مگر جن افسانوں میں رومان نہیں ہوتا وہ بھی اپنی فنی تکمیل کی وجہ سے بلند پایہ ہوتے ہیں۔

ذیلی یا ثانوی کردار

ہیرو اور ہیروئن جیسے خاص کردار کے انتخاب کے بعد ذیلی یا ثانوی کردار کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ ذیلی کردار ہیرو اور ہیروئن کی مدد کے لئے ہوتے ہیں ان سے افسانے کے پلاٹ کے تدریجی ارتقا میں مدد لی جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ ایک افسانہ نگار کے لئے ہیرو اور ہیروئن سے زیادہ تکلیف دہ ذیلی کردار ہوتے ہیں۔ یہ افسانے میں ذیلی کردار کی تکمیل کے لئے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ چند امدادی کلمات ادا کر کے ختم ہو جاتے ہیں۔ افسانوں میں ذیلی کردار کبھی تفصیل کے ساتھ پیش نہیں کئے جاسکتے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ذیلی یا ثانوی کردار اس قدر مختصر وقفہ کے لئے نمودار نہ ہوں کہ ان کا وجود اور عدم برابر ہو جائے۔ وہ جس مقصد کی تکمیل کے لئے ظاہر ہوں اس کی تکمیل کر کے فنا ہونا چاہئے۔

غرض افسانے کی ضرورت اور مناسبت کے لحاظ سے ان کو ظاہر اور روپوش ہونا چاہئے۔ ثانوی کردار کی گفتگو کبھی طویل نہ کی جائے۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کی طویل تقریر افسانے کو بلاوجہ تباہ کر دیتی ہیں۔ ذیلی کرداروں کی تعداد کا انحصار افسانہ نگاروں پر ہوتا ہے۔ پلاٹ کی ضرورت کے مطابق ان کو پیش کرنا چاہئے۔ وہ افسانے جو کم سے کم ذیلی کردار کے ہوتے ہیں زیادہ گنجلک نہیں ہوتے۔

غیر ضروری کردار

افسانہ نگار کو یہ بھی جاننا چاہئے کہ غیر ضروری کردار افسانے کی بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔ ایک ناول نگار اس طرح کے کردار پیش کر کے کچھ نہ کچھ افادیت حاصل کر سکتا ہے۔ مگر اکثر افسانہ نگار ان سے کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بیکار اور ناکارہ کردار کے لئے افسانے میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ افسانہ چند منٹ کے پڑھنے کے لئے لکھا جاتا ہے اس سے کوئی ایسا کیرکٹر پیش نہیں کیا جاسکتا جس کا کوئی مقصد نہ ہو۔ ہر کردار ایک خاص مقصد کا حامل ہونا چاہئے۔ اور وہ بھی صرف اتنی دیر کے لئے کہ افسانہ ''منتہا'' کے بعد ''اختتام'' تک پہنچ جائے۔

باب پنجم

مکالمہ، شگفتگی اور ظرافت

مکالمہ

افسانے کے لئے مکالمہ بھی اسی قدر ضروری ہے جتنا کہ افسانہ زندگی کے لئے۔ بعض افسانہ نویس یہ خیال کرتے ہیں کہ مکالمہ کی افسانے میں گنجائش نہیں ہوتی۔ اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ ان کے افسانوں میں کہیں بھی گفتگو نظر نہیں آتی۔ ابتدائے افسانہ سے اختتام تک صرف مصنف اپنی زبان سے کہتا اور اپنے قلم سے لکھتا چلا جاتا ہے۔ قاری کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ کوئی کہانی پڑھ رہا ہے۔ جس کے واقعات میں نہ جوش ہے اور نہ تحریک بلکہ سب ساکت ہیں۔ ایسے افسانہ نگاروں کے کردار بالکل گونگے معلوم ہوتے ہیں اور قاری کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے کردار جذبات سے بالکل نابلد ہیں یا قوت حس ان میں موجود نہیں ہے۔ افسانہ نگار گویا ان کے خیالات اور ان کے احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ ایسے افسانہ نگار کبھی کامیاب افسانہ نگار نہیں بن سکتے۔

ناقدین ادب کا یہ خیال ہے کہ مکالمہ، افسانے کا ایک اہم ترین جزو ہے۔ جس افسانے میں مکالمہ نہیں ہوتا اس میں گویا افسانے کی روح موجود نہیں ہوتی۔ اس کمی کی تلافی کسی اور صورت سے نہیں ہو سکتی۔ عہد حاضر کے افسانہ نگار مکالموں کو اپنے افسانوں میں جگہ دیتے ہیں۔ ان ہی سے

ان کے افسانوں کی ابتدا ہوتی ہے۔ وہی اس کی تدریجی ترقی میں مدد کرتے ہیں اور اختتام بھی ان ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ تشریحی بیانات ضرورت کے مطابق پیش کئے جاتے ہیں۔

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکالمے کس قسم کے ہونے چاہئیں؟ اس کا سیدھا اورآسان جواب یہ ہے کہ افسانے کے دوران میں صرف وہی بات چیت کردار کی زبان سے ادا ہونی چاہئے جو افسانے کے واقعات میں جوش اور تحریک پیدا کرے۔ غرض وہ بات چیت افسانے کے لئے ہر صورت سے مفید ہو اور اس کے مختلف پہلوؤں کو ہر صورت سے نمایاں کرے۔ غیر ضروری مکالمے افسانے کے لئے بدنما داغ معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ افسانہ نگار کو اپنا افسانہ ''منتہا'' تک پہنچانے میں ان سے کوئی خاص مدد نہیں ملتی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ افسانہ نگار کردار اور واقعات پلاٹ کی نوعیت کو سمجھے بغیر مکالمے لکھنا شروع کر دیتے ہیں جو افسانے کو پست اور پست تر بنا دیتے ہیں۔

ہر افسانہ نگار کو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اس کا کردار کس سن وسال کا ہے۔ تقاضا کے سن کے مطابق اس کے منہ میں زبان دینی چاہئے۔ اگر افسانہ میں ایک کمسن بچہ کا کردار پیش کیا گیا ہے تو اس سے بچوں کی سی باتیں کہلوانی چاہئیں ورنہ اس کی گفتگو غیر فطری ہوگی۔ اگر ایک بزرگ یا سن رسیدہ انسان کا کیرکٹر پیش کیا گیا ہے تو بزرگوں کی طرح اُسے دوسرے کیرکٹروں سے ہم کلام ہونا چاہئے۔ جوان مرد و عورت کی باتیں بھی جوان ہونی چاہئیں۔ ان کی باتوں سے شباب اور جوانی ظاہر ہونی چاہئے۔ ان کی زبان سے بے کیف باتیں کہلوا کر انھیں قبل از وقت بوڑھا بنا دینا غلطی ہے۔ ایسے افسانے بھی میری نظر سے گزرے ہیں جن میں کیرکٹر ضعیف ہے مگر دل جوان ہے، یہ جوانی دراصل مصنوعی معلوم ہونے لگتی ہے۔

افسانوں کے کردار تہذیب اور شائستگی کے دائرہ میں پیش کئے جائیں۔ ان کی گفتگو شریفانہ ہونی چاہئے۔ اگر ان کے انداز گفتگو میں عامیانہ پن پیدا ہو گیا تو یہ الزام گویا مصنف پر عائد ہو گیا کہ مصنف کی ذہنیت پست ہے اور وہ گفتگو مصنف کی اس پست ذہنیت کا نمونہ ہے۔ جب دو کیرکٹر ایک دوسرے سے محو گفتگو ہوں تو انھیں ایک دوسرے کے عہدے اور منصب کا خیال رکھنا چاہئے۔ ان کی بات چیت میں دور از کار باتیں داخل نہ ہونی چاہئیں۔ ایک ایک لفظ جو اُن کی

زبان سے نکلے پُرمعنی ہو۔ مگر یہ گفتگو زمانے اور وقت کے ساتھ مطابقت کرتی ہوئی ہو۔

مکالموں کا دلچسپ اور فطری ہونا بہت ضروری ہے۔ مکالمہ بہت آسان ہے۔ ہر شخص مکالمہ لکھ سکتا ہے مگر اُن میں حسب ضرورت دلچسپی پیدا نہیں کرسکتا۔ مکالمے اس وقت تک کامیاب نہیں ہوتے جب تک کہ اُن کا ایک ایک لفظ اپنی جگہ پر حسب موقع اور نپا تُلا نہ ہو۔ یہی وہ عنصر ہے جو ان کو دلچسپ بنادیتا ہے۔ جہاں تک مکالموں کا فطرت سے تعلق ہے وہ انسانوں کے عادات، اطوار اور طرز زندگی کے مطابق ہونے چاہئیں، کیونکہ کرداری تبدیلی کا اکثر و بیشتر حصہ مکالموں پر منحصر ہوتا ہے۔ قاری کو بھی اسی وقت سکون قلب حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ یہ دیکھ لیتا ہے کہ کردار کی گفتگو دراصل کسی خاص مقصد کی تکمیل کررہی ہے، صرف مکالمہ پیش کرنے کے لئے بات چیت پیش نہیں کی گئی۔ کردار جو کچھ اپنی زبان سے ادا کرے اس انداز اور اس طرز سے کہے کہ قاری کو یہ معلوم ہوجائے کہ وہ ہز ماسٹر وائس نہیں ہے بلکہ جو کچھ زندگی کی کھکھیڑ اٹھا کر اس نے حاصل کیا ہے وہ اس نے پیش کردیا ہے۔ اس کی گفتگو کا ایک ایک لفظ، تجربہ پر مبنی ہے۔ وہ ''جگ بیتی نہیں بلکہ آپ بیتی'' ہے۔ اس کا اندازہ محض اس کے مکالمے کے موثر انداز سے لگایا جاسکتا ہے۔ اگر قاری نے یہ محسوس کرلیا کہ کرداروں کی گفتگو میں تصنع اور بناوٹ ہے تو وہ افسانے کی طرف سے متنفر ہوجائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جس وقت قاری افسانہ پڑھ کر اور گفتگو یا مکالمہ پر نظر کرے یہ محسوس کرنے لگے کہ تمام واقعات اس کے سامنے وقوع پذیر ہورہے ہیں تو اُس کے جذبات ضرور ہیجانی کیفیت میں آجائیں گے اور افسانے کا مطلوبہ اثر ظاہر ہوجائے گا اور یہ اُسی وقت ہوگا جب کہ کرداروں کی نقلی باتیں اصلی باتوں کے روپ میں پیش کی جائیں گی۔

مکالموں کی چُستی کے بارے میں کئی مقامات پر اشارے کردیے گئے ہیں۔ وہی مکالمے قاری کے دل و دماغ پر زیادہ عرصے تک حاوی رہتے ہیں جو بہت چُست اور موزوں ہوتے ہیں۔ افسانہ نگار کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ مکالمے لکھنے کے بعد اس کا اندازہ لگائے کہ مکالمے کیسے ہیں؟ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ افسانہ نگار افسانے کو بآواز بلند پڑھے اور ایک نقاد کی حیثیت سے دیکھے کہ اس میں کہاں کہاں خامیاں موجود ہیں۔ اُسے فوراً محسوس ہوجائے گا کہ فلاں مقام کا مکالمہ چُست نہیں ہے۔ اس کمی کی وجہ سے اُسے یہ بھی محسوس ہوگا کہ افسانہ میں اس کی وجہ سے

سُستی پیدا ہوگئی ہے۔ اگر اُسے یہ محسوس ہوجائے کہ مکالمے روزانہ زندگی کی گفتگو کے انداز سے مطابقت کرتا ہے تو وہ مکالمہ یقیناً قابلِ قدر ہوگا۔

مکالمہ محض بات چیت کرنے اور اپنا مطلب سمجھانے کا ذریعہ نہیں ہے۔ اگر ایک کردار دورانِ گفتگو میں کوئی بات کہتا ہے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بات کہہ کر آزاد ہوگیا۔ اس کا فعل اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی زبان کے الفاظ عملی جامہ نہ پہن لیں اور پلاٹ کی تدریجی ترقی میں مدد نہ کریں۔ کردار کی گفتگو سے ان کے کیرکٹر کی خوبیوں کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ ان کی گفتگو ایسی ہونی چاہئے کہ ان کے محاسن اور معائب ان سے ظاہر ہوجائیں۔ افسانہ نگار کو اپنی شخصیت جہاں تک ہوسکے علیحدہ رکھنی چاہئے۔

شگفتگی اور لطیف ظرافت

افسانوں میں شگفتگی اور لطیف ظرافت کا ہونا بھی اسی قدر ضروری ہے جتنا کہ کھانے میں نمک، یا حسن میں ملاحت۔ المیہ افسانوں میں شگفتگی الم کو کم کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہے۔ جس طرح روزانہ زندگی میں المناک واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اسی طرح افسانوں میں بھی المیہ واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر ان کے ساتھ ساتھ زندگی میں ظریفانہ باتیں بھی ہوتی رہتی ہیں اور المناک واقعات کے اثرات کو کم کرتی رہتی ہیں۔ اس طرح حزنیہ افسانوں میں بھی لطیف ظرافت کا ہونا معیوب نہیں ہے۔ اگر لطیف ظرافت سے حزن کے اثرات ضرورت سے زیادہ کم ہوجانے کا اندیشہ ہو تو شگفتگی سے کام نکالنا چاہئے۔ افسانے میں ہیرو یا ہیروئن کو مصائب کا شکار بنایا جاتا ہے اور وہ اس لئے کہ اس کا انجام بھی المیہ یا دردناک ہو۔ اکثر افسانوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ افسانوں کا اختتام یا تو کسی ہیرو یا ہیروئن کی موت پر ہوتا ہے یا وہ بے نیل مرام کفِ افسوس مل کر رہ جاتا ہے۔ المیہ واقعات ہمیشہ بہت موثر ہوتے ہیں اور جب ایک افسانہ نگار واقعات کو دردناک بنانے میں اپنا پورا زورِ قلم صرف کردیتا ہے تو اس کا اثر اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ طبائع مختلف ہوتے ہیں۔ بہت سے اصحاب اس قسم کے افسانے پڑھنا پسند نہیں کرتے۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو ایسے افسانے پڑھ کر اپنے قلب پر قابو پاتے ہیں مگر افسانے کے "منتہا" تک پہنچتے پہنچتے ان کے بھی آنسو نکل آتے ہیں، ایسے افسانے کامیاب ضرور ہوتے ہیں مگر ان کے جو اثرات

قاری کی طبیعت پر مرتب ہوتے ہیں وہ آئندہ اُسے اس قسم کے افسانوں کے پڑھنے سے روکتے ہیں۔ عورتیں عموماً سریع الحس اور رقیق القلب ہوتی ہیں۔ وہ ایسے افسانے پڑھتی ہیں اور زار زار روتی جاتی ہیں، حالانکہ ان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ فرضی ہے۔ واقعات فرضی، کردار فرضی، اس میں روزانہ زندگی سے جو مطابقت ہوتی ہے وہ انھیں آنسو بہانے پر مجبور کرتی ہے۔ آئندہ وہ ایسے افسانوں کو پڑھنے سے گریز کرتی ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ المیہ افسانوں میں شگفتگی اور لطیف ظرافت کو ملحوظ رکھا جائے۔ اگر اس میں لطیفے اور چٹکلے پیش کئے جا سکیں تو بہتر ہے ورنہ المیہ واقعات کے پیش کرنے کا شگفتہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے تاکہ المیہ واقعات کا اثر قاری کے دل پر وحشت ناک نہ ہو۔ اس طرح اس کا دماغ آئندہ اثرات کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا اور دردناک انجام سے اس کے دل کو صدمہ نہ پہنچے گا، اگر ابتدائے افسانہ سے اختتام تک الم ہی الم ہوگا تو قاری عاجز آ کر افسانہ پڑھنا ہی بند کر دے گا۔

اس اثر کو کم کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ مکالمہ یا گفتگو کے دوران میں کچھ ایسی باتیں پیش کی جائیں کہ قاری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ جائے تاکہ وہ خوش ہو کر ان کو پڑھے۔ روکھے پھیکے المیہ واقعات بے توجہی کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔ اگر ان میں شوخی جھلکنے لگے تو یہی روکھے پھیکے واقعات اور مکالمے جاذب نظر اور جاذب توجہ بن جائیں گے۔ انگریزی زبان کے افسانہ نگار المیہ، افسانے میں اس عنصر کو ضرور پیش کرتے ہیں۔

طربیہ افسانوں میں شگفتگی اور ظرافت کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ان کا طرز انداز اور ان کے واقعات کی نوعیت خود شگفتگی لئے ہوتی ہے۔ طربیہ افسانے لکھنے میں کسی حد تک دقتوں کا سامنا کم ہو جاتا ہے۔ ایک مزاحیہ افسانے میں المیہ واقعات پیش کرنا قرین قیاس نہیں ہوتا کیونکہ مزاحیہ افسانے میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی۔ طربیہ افسانوں میں غیر معمولی واقعات پیدا کر کے ان کو مزاحیہ بنا لیا جاتا ہے۔ اس قسم کے افسانے عموماً پسند کئے جاتے ہیں۔ غرض افسانوں کے لئے شگفتگی بہت ضروری ہے کیونکہ قاری المیہ افسانوں کو از ابتدا تا انتہا پڑھنا پسند نہیں کرتے جب تک کہ ان میں کوئی ایسا عنصر نہ ہو جس سے ان کو سرور حاصل ہو۔

باب ششم

مقامی رنگ[1] اور فنی حقیقت، ماحول اور تخیّل

مقامی رنگ اور فنی حقیقت

ہر افسانہ نگار کو یہ بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ "مقامی رنگ" بھی ایک بہت بڑی حد تک افسانے کی کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔ اگر افسانہ کسی خاص طبقہ یا کسی خاص قوم سے متعلق ہوتا ہے اور اس میں اس کی خصوصیات پیش نہیں کی جاتیں تو وہ افسانہ کامیاب افسانہ نہیں کہا جا سکتا۔ قاری بھی اس کو پڑھ کر الجھن میں پھنس جاتا ہے۔ اس کے دل ودماغ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہر وہ افسانہ جو کسی خاص قوم سے متعلق ہو، اس کے رسم ورواج اور طرز زندگی کو پیش نظر رکھ کر لکھنا چاہئے تا کہ اس قوم کے سماج کی افسانوی فضا پیدا ہو جائے۔ قاری کو ایسی صورت میں یہ محسوس ہونے لگے گا کہ پیش کردہ کردار اور واقعات اس قوم کے ہیں۔ اس وقت اس پر مطلوبہ اثر ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ اگر قوم یا فرقہ یا طبقہ سے متعلق کر کے افسانہ پیش کیا جائے تو اس میں ایسی مشابہت پیدا کرنی چاہئے کہ وہ حقیقت نما معلوم ہونے لگے۔

Local Colour-1

افسانے میں حقیقت سے جس قدر بُعد ہوگا اسی قدر اس میں مقامی رنگ پھیکا ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں اس کو یوں کہہ لیجئے کہ افسانہ قطعی ناکامیاب ہوگا۔ کیونکہ افسانے کے تمام کردار کم وقعت اور کم مایہ افسانوں کی طرح چلتے پھرتے نظر آئیں گے۔ انگریزی زبان کے ایک مصنف نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ان کے افسانوں کے کردار جن میں مقامی رنگ نہیں ہوتا ''بہروپیئے'' معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے افسانہ نگار کو چاہئے کہ وہ ایسے واقعات کا انتخاب کرے جن کے متعلق اسے پوری پوری واقفیت ہو تا کہ وہ کامیاب طریقہ پر اُسے پیش کر سکے۔ مقامی رنگ کے پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پس منظر[1] ایسا پیش کیا جائے جس سے قاری کی آنکھوں کے سامنے وہ ماحول پورا پورا پیش ہو جائے اور یہ صرف اُسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ افسانہ نگار موضوع کے متعلق وسیع مطالعہ یا مشاہدہ رکھتا ہو۔ وہ پس منظر کامیاب طریقہ پر سطحی مطالعہ یا مشاہدہ کی بنا پر پیش نہیں کرسکتا۔ سُنی سنائی ہوئی باتوں کو افسانے کا پس منظر بنانا افسانے کو ناکامیاب بنانا ہے کیونکہ اس کے پیش کردہ منظر میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور باقی رہ جائے گی۔ یہ تشنگی پورا مقامی رنگ نہ پیدا ہونے دے گی۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ افسانہ نگار جنگل سے متعلق کوئی افسانہ لکھنا چاہے تو وہ مقامی رنگ اور مقامی فضا[2] پیدا کرنے کے لئے دشت نوردی اختیار کرے یا مختلف سوسائٹیوں پر افسانے لکھنے کے لئے ان میں کوئی خاص طور پر اپنی زندگی گذارے۔ مقصد یہ ہے کہ جہاں کہیں وہ جائے وہاں ذوق جستجو لے کر جائے تا کہ وہاں کی معمولی سی معمولی باتیں بھی اس کے ذہن نشین ہو جائیں اور افسانہ لکھتے وقت اس کی مددگار یا معاون ثابت ہوں۔

ہر ملک کی آب و ہوا مختلف ہوتی ہے۔ وہاں کے رہنے والوں کے اطوار و عادات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے رسم و رواج میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ غرض ہر چیز میں تضاد محسوس ہوتا ہے۔ اگر افسانہ نگار ذرا سی غلطی کرتا ہے تو یہ تضاد افسانوی فضا کو ختم کر دیتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر ملک کے افسانوں میں وہاں کے لوگوں کے نام، ان کے رسم و رواج، ان کے اخلاق و عادات اور اُن کے رہنے سہنے کا ڈھنگ پیش کیا جائے۔ ہر ملک کے دریا، پہاڑ

Setting-1
Local Colour-2

اور دیگر چیزیں علیحدہ علیحدہ نوعیت رکھتی ہیں اور ان کے اثرات بھی علیحدہ ہوتے ہیں۔ اس لئے مقامی رنگ پیدا کرتے وقت ان کی خصوصیات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ ورنہ صورتِ غیر میں افسانہ ناکامیاب ثابت ہوگا۔ میری نظر سے ایک ایسا افسانہ گزرا جو سرزمین عرب سے متعلق تھا۔ مگر اُس میں ہندوستانیوں کے اخلاق وعادات پیش کئے گئے تھے جو کسی طرح افسانے کے واقعات یا کردار سے مطابقت نہ کرتے تھے۔ اِفسانے میں مقامی رنگ کی کمی اس کی بے اثری کا باعث ہوتی ہے۔

سڈنی۔ اے۔ موسلے نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ بعض انگریز افسانہ نگاروں نے اہل امریکہ سے متعلق افسانے لکھے ہیں جو بہت زیادہ کامیاب ہیں۔ حالانکہ انھیں کبھی امریکہ جانے یا اہل امریکہ کی صحبت اٹھانے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ انھوں نے وہاں کے ماحول اور رسم و رواج کا عمیق مطالعہ کتابوں کے ذریعہ سے کیا اور انتہائی کامیابی کے ساتھ وہاں کی زندگی سے متعلق افسانے لکھے۔ ان کے افسانے وہاں کی زندگی کے حقیقی پرتو معلوم ہوتے ہیں۔ اگر ان افسانہ نگاروں نے غیر معمولی تحقیق اور تلاش وجستجو سے کام نہ لیا ہوتا تو ان کے افسانے بھی مکمل نہ ہوتے۔ ان میں افسانوی فضا کبھی پیدا نہ ہونے پاتی اور نہ مقامی رنگ زیادہ نمایاں ہونے پاتا۔ مبتدی افسانہ نگاروں کے ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ "مقامی رنگ" کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ اگر وہ اس کو بھی سمجھتے ہیں تو اس کو پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ان کے افسانے محض کہانیاں یا قصے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ ان میں حقیقت کی کمی مقامی رنگ کو اور پھیکا کر دیتی ہے۔ ناکامیاب افسانہ نگار اگر اس امر پر غور کریں کہ ان کے کتنے افسانے ناکامیاب ہوئے یا وہ زیور طباعت سے آراستہ نہ ہو سکے تو انھیں معلوم ہوگا کہ ان میں تین چوتھائی افسانے ایسے ہوں گے جو مقامی رنگ کی کمی کی وجہ سے تباہ ہو گئے ہوں گے۔ کسی افسانے کو کسی طبقہ یا گروہ سے متعلق کرتے وقت ان کی خصوصیات کا بہ نظر غائر مطالعہ کر لینا چاہئے۔

دنیائے افسانہ میں عبدالقادر سروری صاحب تحریر کرتے ہیں:

"مختصر قصوں کا ایک جزو لاینفک مقامی رنگ ہے جو امریکائی افسانہ نگاروں کی ایجاد ہے۔ اس کے بغیر بہت کم قصے بامزہ معلوم ہوتے ہیں۔

مقامی رنگ کی آمیزش سے قصہ کا حسن اور دلچسپی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اسی وجہ سے قصہ کے جسدِ بے جان میں ایک روح پڑ جاتی ہے یا خاکے میں رنگینی محسوس ہونے لگتی ہے۔ مگر جب اس حد سے زیادتی ہو جائے تو قصہ ایک خوش نما باغ کے بجائے جنگل نظر آنے لگتا ہے۔ ہر فنی کارناموں کی طرح مختصر قصوں میں بھی تناسب کا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے۔"

ماحول[1] اور تخیل[2]

ماحول اور تخیل دونوں کا اثر افسانہ پر بہت زیادہ پڑتا ہے۔ افسانہ نگار کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس ماحول کو پیشِ نظر رکھے جس میں اُس نے سانسیں لی ہیں یا وہ اب سانسیں لیتا ہے تا کہ اس کا افسانہ صحیح کی زندگی کا صحیح تجربہ ہو۔ ایسے مواقع اکثر آتے ہیں جہاں افسانہ نگار کی غفلت سے یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی "ماحول" کو پیش کرنا افسانے کے لئے مضر بھی ثابت ہوتا ہے۔ صرف چند ذیلی باتیں ہی افسانے میں افسانوی فضا پیدا کرنے کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ پورا پورا ماحول پیش کرنے کے لئے جو تفصیلی بیانات پیش کئے جاتے ہیں وہ اس میں سقم پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ افسانہ ہونے کے بجائے تاریخی حالات یا جغرافیائی کیفیات کا مجسمہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ افسانہ نگار کی یہی کوشش ہونی چاہئے کہ وہ 'کردار' کے مطابق اس میں ماحول پیش کرے اور اپنے مشاہدہ سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اور اس کی فضا سے حقیقت کو مشابہ کر دے۔ حقیقت سے مشابہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس میں وہی مناظر اور وہی حالات جگہ جگہ نمایاں کرے جن کو اس نے خود دیکھا ہو۔

کسی چیز کو ہو بہو پیش کرنے کے یہ معنی نہیں کہ اس میں کوئی جدت اور ندرت نہ ہو اور وہ بالکل اصل چیز کی طرح سادگی کے ساتھ بیان کر دی جائے گی تو اس میں بھونڈا پن پیدا ہو جائے گا اور قاری اس پر توجہ کئے بغیر گزر جائے گا۔ دنیائے افسانہ میں سب سے زیادہ دلکشی اور دلچسپی قابلِ قدر ہوتی ہے۔ اگر افسانے کا ماحول دلکش نہ ہوا تو افسانے کی دلچسپی بھی کم ہو جائے گی۔ اس

Environment-1
Imagination-2

لئے افسانے کے ماحول کو تخیل کی مدد سے دلکش بنانا چاہئے۔ تخیل کی بلند پروازی افسانہ میں چار چاند لگا دے گی۔ ایسے افسانے بہت کامیاب ہوتے ہیں جن کی بنیاد واقعات زندگی پر ہوتی ہے۔ مگر ان میں دلکشی اور جاذبیت تخیل کی مدد سے پیدا کر دی جاتی ہے۔ تخیل سے کام لیتے وقت یہ پہلو خاص طور پر مدنظر رکھنا چاہئے کہ وہ حد اعتدال سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ اس کی بے اعتدالی سے افسانے کے حُسن میں خرابی پیدا ہو جائے گی۔ پھر اس کو بہتر بنانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ حد اعتدال کے اندر رہ کر افسانہ نگار تخیل سے خالی ڈھانچوں میں ''جان اور روح'' دونوں پیدا کر سکتا ہے۔ تخیل سے کام لینے والے افسانہ نگار کبھی سطحی نہیں ہوتے۔ سطحی باتوں کو اگر وہ پیش کرتے ہیں تو اس میں بھی کوئی نہ کوئی نکتہ ضرور پیدا کر لیتے ہیں۔ ہر افسانہ نگار قوت تخیل پر پیدا کر سکتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک میں خداوند عالم نے یہ قوت ودیعت کی ہے۔ اگر ابتدا ہی سے اس جوہر کو نمایاں کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ زیادہ اُجاگر ہو جاتا ہے۔ ورنہ رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے۔ ورڈسورتھ نے ایک مقام پر لکھا ہے:

> ''ہر مصنف کو خواہ وہ مبتدی ہو یا شہرہ آفاق، اور یجنل ہو یا لکیر کا فقیر، زندگی میں اتنا موقع ضرور ملتا ہے کہ وہ قارئین کو اپنی تحریر کے ذریعہ سے اپنا ہم خیال بنالے تاکہ آئندہ بھی وہی لوگ اس کے پرستار بنے رہیں۔ مگر یہ سب بغیر تخیل کی مدد کے نہیں ہو سکتا۔''

ایسا معتقد گروہ صرف کوششوں اور کاوشوں کے ذریعہ ہی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ دنیا میں ہر انسان کوشش کرنے ہی سے کامیاب ہوتا ہے۔ اکثر ایسے مصنفین دیکھنے میں آتے ہیں جو تصنیف و تالیف کے کام کرنے کے باوجود بھی عروس شہرت سے ہم کنار نہیں ہوتے اور وہ عوام کی ناقدری کے شاکی رہتے ہیں۔ اس کے ذمہ دار قارئین نہیں ہوتے بلکہ وہ خود ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ بہترین افسانہ لکھنے کی کوشش نہیں کرتے، وہ خود سُست ہوتے ہیں اور اپنے دماغ پر بھی زیادہ زور ڈالنا نہیں چاہتے۔ ایک انگریز مصنف کا خیال ہے۔

> ''قوت متخیلہ ایک جادو ہے جو ہر قاری کے سر چڑھ کر بولتی ہے مگر اس جادو پر پہلے قابو حاصل کیا جاتا ہے تب دوسروں کو اس سے مسحور کیا جاتا ہے۔''

ایسے افسانہ نگار جو قوت متخیلہ سے مدد لیتے ہیں سماج کے بندھنوں اور رکاوٹوں سے آزاد ہوکر افسانے لکھتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے اکثر نتائج عام جذبات کے خلاف ہوتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو ان کو پڑھتا ہے ان کی نوعیت پر غور کرتا ہے۔ ان کے نتائج پر چند لمحات صرف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ نکتہ مندرجہ ذیل کی باتوں سے بخوبی واضح ہو جائے گا۔

ایک افسانہ نگار ''پراسرار موت'' پر ایک افسانہ لکھنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ یہ فرض کرلے کہ کسی نے اس کا گلا کاٹ دیا ہوگا۔ اسے یہ سوچنا چاہئے ''موت واقع ہوئی؟ کس نے اس کو مارا؟ اور کیوں؟'' یہاں سے قوت متخیلہ کی کارگزاری شروع ہوتی ہے۔ یہ سوالات اسے ذیلی سوالات کرنے پر مجبور کریں گے۔ شاید وہ اس طرح صحیح نتیجہ پر پہنچ جائے مگر نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے اسے مختلف مراحل طے کرنا ہوں گے۔ جب اس کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ شاید وہ رقابت کی وجہ سے مارا گیا تو معاً دوسرا خیال یہ آئے گا ''کسی نے بدلہ لینے کی نیت سے تو اُسے نہیں مارا؟'' اگر کوئی بدلہ لیتا تو اس کو گولی کا نشانہ بناتا، چاقو بھونک دیتا یا اس کا قرولی سے خاتمہ کر دیتا ظاہراً زخم کا کوئی نشان بھی نہیں معلوم ہوتا۔ فوراً اس کے دماغ میں یہ تاویل آئے گی ''شاید وہ خود بخود قلب کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے مر گیا ہو؟ ممکن ہے کسی نے زہر دے دیا ہو۔ مگر ایسا بھی نہیں معلوم ہوتا ورنہ خبر سے یہ ہوتا ہے کہ اس کا جسم سرمئی رنگ کا ہو گیا ہے اور اس کے ناخن کا رنگ بدل گیا ہے۔ اچھا اگر حرکت قلب کے بند ہونے سے اس کی موت واقع ہوئی ہے تو اس کا سبب کیا تھا؟ خوف، ہراس، ڈر، اس کے بعد ہی وہ کہے گا ''کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معمولی معمولی واقعات پر انسان برافروختہ ہوکر ایسی سنگین حرکتیں کر گزرتا ہے۔ کیا یہ پراسرار موت کوئی معمولی واقعہ کا نتیجہ ہے؟ نہیں ایسا بھی نہیں معلوم ہوتا۔''

اس طرح افسانہ نگار اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ فعل کسی ایسی وجہ سے عمل میں آیا ہے جو معمولی نہیں ہے۔ اس کو اپنا پلاٹ بنانے کے لئے اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ دنیا میں کون کون سی ایسی چیزیں ہیں جو جھگڑے کا باعث ہوتی ہیں اور جن کی وجہ سے ''خون یا قتل'' جیسے سنگین واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ فوراً قوت متخیلہ یہ کہے گی ''زر۔ زن۔ اور زمین''۔ زر بھی اس موت کا باعث ہو سکتا ہے اور زمین بھی۔ ممکن ہے کہ یہ شخص مالدار ہو۔ اس کے پاس روپیہ ہو اور کوئی اس

کی موت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہو۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ پٹی داری کا کوئی معاملہ درپیش ہوا ہو اور پٹی دار نے اس کو قتل کرا دیا ہو۔ مگر ان دونوں موضوع میں رومان پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے افسانہ نگار کو چاہئے کہ وہ اس کا سبب کسی ''زن'' کو قرار دے۔ اور اس کے ساتھ ایسا قصہ وابستہ کرے جس میں کچھ رومانی عنصر موجود ہو۔ یہ عورت کی ماں ہو یا بیوی، لڑکی ہو یا کوئی غیر عورت یا کسی اور کی عورت، یا لڑکی ہو، دونوں صورتوں میں موت اس کا باعث بن سکتی ہے۔ اگر اس شخص کو ملزم نہ بنایا جائے اور کوئی ایسا موقع نکالا جائے جب کہ وہ اصل مجرم کے دھوکے میں مارا گیا ہو تو افسانے کے حسن میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ اس طرح تخیل کی کارگزاری سے ایک معمولی سا واقعہ ایک رومانی المیہ افسانے میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ 'تخیل' کے ساتھ ساتھ ماحول کو کامیابی کے ساتھ پیش کر دینے سے افسانہ پوری رومانی فضا کے ساتھ مکمل ہو جائے گا۔ اردو زبان و ادب میں جو طویل افسانے موجود ہیں ان میں قوت تخیل کو بہت زیادہ دخل ہے۔

قدیم افسانوں کے متعلق ایک نقاد کا یہ خیال ہے:

> ''دنیائے تخیل میں مشرق ہمیشہ سے مغربی اقوام کا محسود رہا ہے۔ وہ بلند پروازیاں، وہ وسعت خیال، وہ بندش کی رنگارنگی جو مشرقی افسانوں میں نظر آتی ہے مغربی قصوں میں عنقا کا حکم رکھتی ہے۔''

جب افسانہ نگاری کے ابتدائی دور میں السنۂ مشرقیہ کو مغربی ادب پر فوقیت حاصل تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ مختصر افسانوں میں تخیل کی بلند پروازیاں مفقود ہو جائیں۔ افسانہ نگاروں کو چاہئے کہ وہ تخیل کو ضرورت کے مطابق اپنے افسانوں میں جگہ دے کر ان کو زندۂ جاوید بنا دیں۔

باب ہفتم

اختصار اور طول۔ ربط اور تسلسل
اتحاد زمان و مکاں۔ اتحاد عمل۔ کشمکش حیات

اختصار اور طول

افسانہ نگاری میں اختصار کو بھی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اسی کتاب کے ابتدائی باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ افسانہ کی طوالت اُسے افسانے کی حدود سے نکال کر ناولٹ یا طویل افسانے کی حد میں داخل کر دیتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ افسانہ اختصار کے ساتھ لکھا جائے۔ الفاظ کے تعداد کی پابندی کے متعلق بھی بحث کی جا چکی ہے۔ کوئی خاص لفظی پابندی اردو زبان کے افسانوں پر نہیں لگائی جا سکتی مگر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ممالک غیر کی زبانوں میں بہترین افسانے اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ افسانے کو کس طرح مختصر بنایا جائے۔ اس کی سب سے زیادہ آسان ترکیب یہ ہے کہ پہلے افسانہ نگار افسانے کا پلاٹ مرتب کرے۔ وہ افسانے کبھی مختصر نہیں ہو سکتے جن کے پلاٹ غیر مربوط ہوتے ہیں اور جن پر افسانے کی ابتدا کرتے وقت غور نہیں کیا جاتا۔ افسانہ نگار قلم برداشتہ لکھتا چلا جاتا ہے اور واقعات ذر واقعات پیدا ہوتے

چلے جاتے ہیں۔کوئی صورت ان کے ختم ہونے کی پیدا نہیں ہوتی۔ جب وہ افسانہ ختم کرنے کی فکر کرتا ہے فوراً کوئی نہ کوئی خیال یا واقعہ اس کے قلم کو آگے بڑھا دیتا ہے۔اس طرح اس کا افسانہ ناولٹ بن جاتا ہے۔غیر مربوط یا غیر مرتب پلاٹ میں افسانہ نگار کسی درمیانی واقعہ سے اپنے افسانے کی ابتدا نہیں کر سکتا کیونکہ اُسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ افسانہ کس طرح ترقی کرے گا اور کون کون سے واقعات افسانے کے درمیان آئیں گے۔مگر ایک مرتب پلاٹ کو افسانہ نگار مختصر بنانے کے لئے کسی درمیانی واقعہ سے اس کی ابتدا کر کے تسلسل پیدا کر سکتا ہے اور ایک محدود وقفہ میں اس کو بہ آسانی ختم کر سکتا ہے۔کسی تفصیل یا مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہوتی۔

افسانہ کا ''اختصار'' قاری کو افسانے کی روح اور ''قالب'' سے بخوبی آگاہ کر دے گا تب افسانہ نگار اپنا موثر انداز اتحادی اثر کے ساتھ ساتھ قائم رکھ سکتا ہے۔اگر وہ اس پہلو کو اپنے پیش نظر نہ رکھے گا اور افسانے میں طوالت کے ساتھ اتحادی اثر پیدا کرے گا تو افسانے میں خود بخود غیر ضروری اور بھرتی کے مضامین داخل ہو جائیں گے۔اس طرح اس کا افسانہ اپنے مقصد کی تکمیل میں کامیاب نہ ہوگا۔''تصور'' اور ''اتحاد'' دونوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔اور یہ دونوں بغیر اختصار کے افسانے میں پیدا نہیں ہوتے۔

بعض اوقات اختصار افسانے کے لئے بار گراں بھی ہو جاتا ہے۔افسانے میں اکثر و بیشتر مواقع ایسے بھی آتے ہیں جہاں وضاحت کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔افسانے کے تشریحی بیانات افسانے کی تدریجی ترقی میں بہت مدد دیتے ہیں۔کرداری نشوونما پر بہت کافی روشنی پڑتی ہے۔ ایسے مقامات پر اگر اختصار کو پیش نظر رکھا جاتا ہے تو افسانہ کی تدریجی ترقی اور اس کا کرداری نشوونما سب ختم ہو جاتا ہے۔قاری کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ افسانہ نگار کے قلم میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے اور وہ افسانہ کے اس خاص حصہ کو وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کر سکا۔اس لئے افسانہ نگار کو موقع ومحل کے لحاظ سے اختصار کو جگہ دینی چاہئے۔ ہر جگہ افسانہ نگاری کے اس اصول کو مدنظر رکھنا افسانہ کو بیجا طور پر ختم کر دینا ہوگا۔اگر اُسے ایسا افسانہ لکھنا ہے جو کسی طرح اختصار کے ساتھ پیش نہیں کیا جا سکتا تو اسے چاہئے کہ وہ اسے کئی قسطوں میں تقسیم کر دے۔اس کی غیر معمولی طوالت

اس کو ناولٹ بنا دے گی اس لئے مسلسل مختصر افسانہ[1] لکھنا چاہئے تا کہ افسانے کے موضوع اور مقصد کا اختصار کی وجہ سے خون نہ ہو جائے۔ اختصار کے متعلق مولانا عبدالقادر سروری کا مندرجہ ذیل خیال پیش کرنا ضروری ہے:۔

> ''مختصر قصوں میں اس کی ضرورت ہے کہ الفاظ اور تفصیلات میں کفایت شعارانہ انداز اختیار کیا جائے، اس کامل فن نقاش کی طرح جس کی ایک جنبش قلم سے ایک مکمل شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ مختصر قصہ نگار کو بھی یہ کمال حاصل ہونا چاہئے کہ چند لفظوں میں سارا مطلب ادا کر دے ''پرسش ہو اور پائے سخن درمیاں نہ ہو''

ربط اور تسلسل

افسانے کا ایک اور ضروری جز اس کا ربط اور تسلسل ہے۔ افسانہ نگار کو چاہئے کہ وہ اپنے افسانے کو بے ربط نہ ہونے دے۔ اگر اس کے واقعات ایک مسلسل کڑی نہ معلوم ہوئے اور ادھر اُدھر کے بے ربط ہو کر نمودار ہوئے تو افسانہ کی تمام تر خوبیاں ختم ہو جائیں گی۔ افسانہ نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ واقعات کے انتخاب کے بعد تخیل کی کارگزاری پر چند لمحات صرف کرے۔ ازاں بعد اس امر پر غور کرے کہ جو واقعات پلاٹ کو مکمل کر رہے ہیں ان میں کوئی خلا تو نہیں رہ گیا۔ اسی لئے یہ ضروری قرار دے دیا گیا ہے کہ وہ پہلے اپنا پلاٹ مرتب کرلے تب افسانہ لکھنا شروع کرے۔ صورت غیر میں واقعات افسانہ جب باہم ربط کے حامل نہیں ہوتے تو افسانے کے مختلف حصے ایک دوسرے سے بدنما پیوند کی طرح جڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر واقعات میں یہ تسلسل اور باہم ربط نہیں ہوتا تو افسانہ کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ قاری کو افسانہ پڑھتے ہی یہ محسوس ہونا چاہئے کہ افسانہ کا ہر واقعہ افسانے کی زنجیر کا ایک حلقہ ہے جو دوسرے سے بالکل ملحق ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ افسانہ نگار کو واقعات میں یکسانیت بھی ملحوظ رکھنی چاہئے۔ اور یہ اس وقت ممکن ہے جب کہ واقعات ایک دوسرے کے ساتھ ربط رکھتے ہوں۔

---

[1] Serial Short Stories-1

ایک مبتدی افسانہ نگار پہلے واقعات کی تلاش اور جستجو کرے اور اس کے دستیاب ہو جانے کے بعد اُن میں انتخاب کرے کہ وہ کون سے واقعات پیش کر سکتا ہے۔ اور کون کون سے زیرِ تکمیل افسانے کے لئے ضروری ہیں۔ پلاٹ میں خلاصہ افسانہ نگار کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ اپنی شخصیت کا اظہار کرے اور زبردستی افسانے کی گاڑی آگے کھینچے۔ ایسے افسانوں کا شمار دنیا کے بدترین افسانوں میں ہوتا ہے کیونکہ جب واقعات ہی میں ربط اور تسلسل نہ ہوگا تو اتحادی اثر اس میں کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ افسانہ "منتہا" تک پہنچنے سے قبل ہی خاتمہ کی طرف رجوع ہو جائے گا۔

اتحادِ زمان و مکاں اور اتحادِ عمل

بعض مصنفین نے یہ تحریر کیا ہے کہ افسانوں کے لئے اتحادِ زمان و مکاں بھی اسی قدر ضروری ہے جتنا کہ ڈراما کے لئے ڈراما میں وقت کی میعاد کا سوال کم ہوتا ہے۔ اگر وہ پانچ ایکٹ کا ڈراما ہے تو وہ تین چار گھنٹے میں اسٹیج پر بہ آسانی پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور اتنی ہی مدت میں پڑھا بھی جا سکتا ہے۔ مگر ایک ایکٹ کے ڈراما میں زیادہ وقت نہیں دیا جا سکتا۔ بالکل یہی حال مختصر افسانے کا بھی ہے۔ ایچ۔ جی۔ ویلز کا خیال اس کتاب میں درج کیا جا چکا ہے۔ جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ مختصر افسانہ ایک گھنٹے کے اندر ختم ہو جانا چاہئے مگر اس قید کے خلاف افسانوں میں ایک اور زبردست قید یہ ہے کہ افسانے کے واقعات اور وقت میں مطابقت ہونی چاہئے تاکہ پلاٹ کا اتحادی اثر اچھا اور نمایاں ہو۔ ایک افسانہ نگار ایک ہی وقت میں اپنے کردار کو دنیا کے مختلف حصوں کی سیر نہیں کرا سکتا۔ ایک وقت میں اگر وہ ایک جگہ پر نمودار ہوتا ہے تو اس مناسبت سے کسی دوسرے وقت اُسے دوسری جگہ نمودار ہونا چاہئے۔ اس اتحادِ زمانی کے ساتھ ساتھ اتحادِ مکانی کی بھی قید ضروری ہے۔ افسانہ کے اگر مختلف حصہ علیحدہ علیحدہ کر لئے جائیں تو اتحادِ زمانی اور مکانی قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ افسانے جو دو یا دو سے زیادہ حصوں میں منقسم کر دیے جاتے ہیں عموماً علیحدہ علیحدہ اتحادِ زمانی و مکانی کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک حصہ ایک وقت میں ایک مقام سے اور دوسرے وقت میں کسی دوسرے مقام سے متعلق ہو سکتا ہے۔ ایسے افسانے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن میں اتحادِ زمانی و مکانی بھی واقعات اور کردار افسانے کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ مگر ایسے افسانوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی۔ اتحادِ زمان و مکاں میں تبدیلی کرتے وقت افسانہ نگار کو کردار پر

غور کرنا ضروری ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اور جگہ کی تبدیلی کی وجہ سے ان میں جو تبدلیاں ہوں ان کو نمایاں کر دینا چاہئے۔ ہر صورت مختصر افسانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس خوبی کے حامل ہوں۔ جن افسانوں میں یہ اتحادی اثر نہیں ہوتا ان میں وقفہ یا Suspense پیدا نہیں ہونے پاتا۔ ایسے مواقع پر افسانہ نگار کو کچھ تفصیل مگر اجمال کے ساتھ پیش کر سکتا ہے۔ ہر افسانہ میں ایسا موقع ضرور آتا ہے مگر افسانہ نگار کو اس کا احساس دشواری سے ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ لگانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ افسانہ نگار ایک قاری کے نقطۂ نظر سے اس کو پڑھے اور یہ دیکھے کہ Suspense قاری کو کسی ایک بات کے علاوہ کسی دوسری بات کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ یہی اس کی کامیابی کی دلیل ہے۔

اتحاد زمان و مکاں کے ساتھ اتحاد عمل بھی ضروری ہے۔ اگر کردار، وقت اور جگہ کے لحاظ سے عمل نہ کریں گے تو افسانہ چوپٹ ہو جائے گا۔ کیونکہ اتحاد عمل کا تعلق افسانے کے کردار سے ہوتا ہے۔ اگر افسانہ نگار اپنے کردار کی صفات سے بخوبی واقف ہوتا ہے تو وہ اتحاد زمان و مکاں کے ساتھ اتحاد عمل پیدا کر سکتا ہے، ورنہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کردار کی فطری خوبیوں کے مطابق اتحاد عمل بھی ہوتا ہے۔ اگر کردار کی فطرت اور کردار کے عمل میں تضاد ہو تو اتحاد عمل میں بھی خامیاں ہوں گی۔ ان کو دور کرنا افسانہ نگار کا اوّلین فرض ہے۔

کشمکش حیات

ان اتحادی اثرات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کردار کے قول ان کے عمل کے ضامن ہو جاتے ہیں مگر اُسے قدم قدم پر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جہاں وہ ایک الجھن میں پھنس کر کبھی اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی ایک باغی انسان کی طرح جو کچھ کہتا ہے اس پر اٹل رہتا ہے۔ وہ افسانہ میں کشمکش کا شکار ہوتا ہے۔ اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرے۔ وہ اپنے قول سے مجبور ہوتا ہے۔ اس طرح وہ ایسی الجھنوں میں پھنسا رہتا ہے جو انسان کو روزانہ زندگی میں پیش آتی ہیں۔ اس کا اثر بھی افسانہ کی فضا پر بہت پڑتا ہے۔ کردار آئندہ جو حرکتیں کرتا ہے ان کا اندازہ تعلق افسانہ نگار کے ذہن سے ہوتا ہے۔ جس قسم کی کشمکش حیات وہ پیش کرنا چاہتا ہے اسی کی طرف وہ کردار کو بھی رجوع کر دیتا ہے۔

باب ہشتم

فن تکمیل[1] اور طرز تحریر۔ اسلوب پیشکش۔ انفرادیت

فنی تکمیل ور طرز تحریر

اکثر ماہرین فن کا یہ خیال ہے کہ افسانے کی فنی تکمیل طرز تحریر سے زیادہ ضروری ہے۔ مگر مطالعہ اور مشاہدہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ افسانہ کے لئے فنی تکمیل اور طرز تحریر دونوں متوازی طور پر ضروری ہیں مگر افسانے کی کامیابی کا انحصار اور جملہ خوبیوں کے زیادہ تر فنی تکمیل اور طرز تحریر پر ہے۔ فنی تکمیل سے مراد یہ ہے کہ افسانہ میں تخیل اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ کارفرما ہو۔ تخیل کی کارفرمائی سے یہ مقصد ہے کہ جب افسانہ نگار اپنے افسانہ میں کسی چیز کو پیش کرے تو ایک نئے اسلوب اور نئے انداز سے تاکہ اس میں دلکشی اور جاذب نظری پیدا ہو جائے۔ اکثر و بیشتر افسانہ نگاروں کو فرسودہ اور پامال مضامین پیش کرنے پڑتے ہیں۔ اگر وہ اس میں کوئی تازگی پیدا نہیں کرتے تو وہ ایک بیجان قالب کی طرح ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر مضمون کو انتہائی حسن وخوبی کے ساتھ نئے انداز، نئے طرز، نئے پہلو اور نئے نظریے سے پیش کیا جائے۔

---

[1] Technique or Craftmanship-1

جب افسانے میں اس قدر کامیابی حاصل ہوجائے تو چند لمحات اس کی سُرخی، اس کے پہلے جملے اور پہلے پیراگراف پر صرف کرنا ضروری ہیں۔ اس وقت یہ سمجھ لینا چاہئے کہ افسانہ کی فنی تکمیل کسی حد تک ہوگئی ہے۔ رفتہ رفتہ قصہ کے واقعات میں تحریک پیدا ہوگی اور وہ ''منتہا'' کی طرف بڑھتے جائیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ افسانہ ''منتہا'' پر پہنچ کر انکشاف اور خاتمہ کی طرف رجوع ہوجائے گا۔

طرزِ تحریر کی جادوگری سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں افسانے کی اور خوبیاں قاری پراثر انداز ہوتی ہیں وہاں قاری کو یہ افسانہ چھوڑنے نہیں دیتیں۔ اکثر ناقدین ادب یہ لکھا کرتے ہیں کہ فلاں مصنف کا طرزِ تحریر اچھا ہے اور فلاں کا برا، مگر آج تک یہ طے نہ ہوسکا کہ اچھے طرزِ تحریر کی حد کہاں ختم ہوتی ہے اور برے طرز کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے یا وہ کون کون سے اجزا ہیں جو افسانے کے طرزِ تحریر کو اچھا یا برا بنا دیتے ہیں۔ ایک نقاد کا خیال ہے کہ ہر مصنف اپنے طرزِ تحریر کے پیش کرنے میں اپنی علمیت اور اپنی قابلیت ختم کر دیتا ہے۔ اس کی ہمہ دانی اس کے طرزِ تحریر پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ ایک دوسرے مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ طرزِ تحریر کی دلکشی اور دیگر خوبیاں مصنف کی ذاتی خوبیوں پر منحصر ہوتی ہیں۔ کیونکہ ہر شخص کا مذاق جدا ہوتا ہے وہ اپنے طرزِ تحریر کو اپنے فطری مذاق کے مطابق پیش کرتا ہے اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ گذشتہ مصنفین کی تحریریں زیادہ سے زیادہ پڑھے ان کے اندازِ بیان اور طرزِ تحریر کی خوبیاں اپنے طرزِ تحریر میں منتقل کرنے کی کوشش کرے۔ مستند اہلِ قلم کی تصانیف پڑھتے وقت اس امر پر غور کرنا چاہئے کہ انھوں نے کون سا طرزِ تحریر اختیار کیا تھا۔ جو وہ اپنے مقصد کے حصول میں کس طرح کامیاب ہوئے۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں زور اور اثر پیدا کرنے کے کون سے ذریعے استعمال کئے ہیں۔ اگر یہ صورت اختیار کی جائے گی تو افسانہ نگار کے طرزِ تحریر میں بہت کافی پختگی پیدا ہوجائے گی۔ فنی تکمیل میں طرزِ تحریر کے ڈھیلے پن کی وجہ سے جو کمی رہ جاتی ہے اس کی تلافی محض اس صورت سے ہوسکتی ہے۔

افسانہ نگار کو اپنا طرزِ تحریر علیحدہ رکھنا چاہئے اور اُسے اپنے افسانوں کے لئے مخصوص کرلینا

چاہیئے۔ اگر وہ اپنا اصول اس طرح مرتب کرے کہ وہ کبھی افسانوں میں طویل پیراگراف نہ لکھے گا تو وہ ان خرافات سے بچ جائے گا جو بلاوجہ افسانہ نگاروں کے لئے وبال جان ہو جاتی ہیں۔ مختصر جملوں کے استعمال سے بھی افسانے کے حسن وخوبی میں بدرجہ اتم اضافہ ہو جاتا ہے۔ طویل جملوں میں مطلب اس حسن وخوبی کے ساتھ ادا نہیں ہونے پاتا جیسا کہ مختصر جملوں میں۔ طویل جملوں میں مطلب پھیل جاتا ہے۔ مفہوم کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور ان میں فصل زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ فصل افسانے کے مطلوبہ اثر پر بری طرح اثر انداز ہوتا ہے۔ افسانہ نگار عموماً یہ خیال رکھتے ہیں کہ بھاری بھرکم اور بڑے بڑے الفاظ استعمال کرنے سے افسانہ مقبول ہوتا ہے۔ دراصل یہ ان کی خام خیالی ہے۔ افسانے کے لئے ہلکے پھلکے الفاظ استعمال کرنا افسانے کی کامیابی کی دلیل ہے۔ مفہوم کے لحاظ سے موزوں الفاظ کو جگہ دینا ضروری ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ افسانہ نگار جب کسی مفہوم کو انتہائی حسن وخوبی کے ساتھ پیش کرتے ہیں تو وہ زبان استعمال کرتے ہیں جو شعروشاعری کے لئے موزوں ہوتی ہے۔ یہاں پر اردو کے ایک افسانہ نگار کے افسانے سے نمونہ پیش کیا جاتا ہے جو ایک ادبی شاہکار ہے۔ یہ انداز بیان افسانے کے لئے موزوں نہیں:۔

> ''غرور ونخوت نے بے زبان محبت پر فتح پائی......محبت کی یہ باقاعدہ پسپائی نہ تھی بلکہ وہ سراسیمگی کی بھگدڑ تھی جو ہندوستان کی قسمت میں اکثر موقعوں پر مقدر رہتی ہے۔ مادیت کے سامنے اکثر روحانیت یوں ہی بھاگ نکلتی ہے، تاریکی اسی طرح آفتاب کو زردرو کردیتی ہے۔ کالی راتوں سے چاندنی اسی طرح فرار کر جاتی ہے۔ سیاہ دراز زلفیں اسی طرح انسان کی پتلی لکیر کو ڈھک لیتی ہیں۔ ظلمات اسی طرح آفتاب کو چھپا دیتی ہے۔
>
> داتا کے دین کی عجیب لیلا ہے۔ جس طرح بخشش ان سے عجب نہیں اسی طرح ہر ایک کو تول تول کے دینا بھی انہیں کا کام ہے۔ پھر یہ بھی دیکھئے اگر کسی سے کوئی چیز چھین لی تو دوسری چیز دوسروں سے زیادہ دی۔ کسان سے ریاست لے لی۔ قناعت دے دی۔ غریب سے امیری لے

لی سچائی دے دی۔ سرمایہ دار سے ایمان لے لیا عشرت دے دی۔ پھول کو قوت پرواز نہ دی، رنگ و بو عطا کر دیئے۔ ہوا کو صرصریت دی تو رنگ و بو غائب۔ ہیرے کو چمک دی تو مشک کی سی خوشبو نہ دی۔ بلبل کو چہکنا دیا تو عقابی پرواز غائب۔ عقاب کو آسمان سے آنکھ لڑانا سکھایا تو خوش گلوئی ندارد۔"

ظاہر ہے کہ اس قسم کی عبارت آرائی افسانوں میں افسانوی فضا پیدا نہیں کرسکتی کیونکہ اس سے اس کی فنی تکمیل میں کمی زائد ہوجائے گی، افسانہ نگار کو یہ دکھانا مقصود ہے کہ اس کا ہیرو اگر ہے تو اس کے لئے اس قدر طویل تمہید قاری کے لئے تکلیف دہ ہوجائے گی۔ اس طویل عبارت کو چند الفاظ میں ادا کیا جاسکتا ہے غرض یہ ہے کہ مفہوم ادا کرنے کے لئے افسانہ نگار صحیح قسم کے افسانے کا انتخاب کرے۔ ورنہ صورت غیر میں اس کا افسانہ نامکمل رہ جائے گا۔ افسانہ نگار کو یہ سمجھنا چاہئے کہ الفاظ کی تلاش وجستجو اور اس کے صحیح انتخاب میں جو وقت صرف ہوگا وہ ضائع ہوجائے گا۔ دراصل وہ ہی الفاظ اس کے جملوں میں چار چاند لگا دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں اتنا لکھنا ضروری ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ جہاں تک ہو نہ استعمال کئے جائیں۔ اگر وہ الفاظ ہماری زندگی میں رائج ہوگئے ہیں تو موزوں، موقع ومحل پر ان کا استعمال بھی بیجا نہ ہوگا۔ انگریزی زبان کے ایک مصنف کا خیال نقل کرنا ضروری ہے۔ اس سے الفاظ کی تلاش اور اس کے انتخاب پر کچھ روشنی ضرور پڑے گی۔

"انسان جو مفہوم ادا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے صرف ایک رسم اور اس میں روح اور روانی پیدا کرنے کے لئے ایک فعل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسم کی خوبی کے اظہار کے لئے کبھی کبھی ایک صفت کی بھی ضرورت پڑتی ہے......اپنے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے موزوں اسم، فعل اور صفت تلاش کرو......اس کی ترکیب یہ ہے کہ ان الفاظ سے جو بہ آسانی دماغ میں آجائیں مطمئن نہ ہونا چاہئے......ان کو ایک بار نہیں متعدد بار رد کردینا چاہئے۔ ایک موقع ایسا آئے گا کہ صحیح الفاظ خود بخود تمہارے قلم سے ٹپک

پڑیں گے......وہ جملہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اچھوتا ہوگا۔"

اسلوب پیش کش

فنی تکمیل اور طرز تحریر پر غور کرنے کے بعد یہ امر ضروری ہوجاتا ہے کہ افسانہ کو کس طرز، کس انداز، کس ڈھنگ اور کس اسلوب سے پیش کرنا چاہئے تاکہ وہ قاری پر قابو حاصل کرکے اُسے افسانہ پڑھنے پر مجبور کردے۔ اسلوب پیش کشی کا مصنف کے طرز تحریر سے بہت گہرا لگاؤ ہوگا۔ عموماً افسانوں کے اٹھانے اور پیش کرنے کے دو خاص طریقے رائج ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ افسانہ نگار اپنی ذات کو افسانہ کا سب سے بڑا کیرکٹر بنالیتا ہے۔ اور پورا قصہ اپنے گرد تیار کرتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام کردار کی زبان اپنے منہ میں لے کر تمام واقعات اپنی زبان سے بیان کرنا شروع کردیتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ واقعات کردار کے ذریعہ سے رفتہ رفتہ پیش کئے جاتے ہیں۔ اس طرح افسانہ نگار کا تمام انتخاب کردہ مواد "منتہا" تک قاری کے سامنے پہنچ جاتا ہے۔

مبتدی افسانہ نگار کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ افسانہ لکھتے وقت اپنی شخصیت کو افسانے سے بالکل علیحدہ رکھے۔ یہ فعل اسے بالکل کہنہ مشق افسانہ نگاروں کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔ اس میں جو دقتیں پیش ہوتی ہیں وہ مشاق افسانہ نگار بہ آسانی حل کرلیتے ہیں مگر یہ ایک مبتدی کے بس کا معاملہ نہیں ہوتا۔ آج جتنے کہنہ مشق افسانہ نگار ہیں ان سے پوچھئے کہ انھیں اپنے کتنے افسانے محض اسلوب پیش کشی کی خرابی کی وجہ سے نذر آتش کرنا پڑے؟ کتنے انھوں نے طباعت اور اشاعت کے لئے اخبارات اور رسائل میں بھیجے اور کتنے واپس ہوگئے؟ غالباً طبع اور شائع ہونے والے افسانوں کی تعداد دو یا تین ہوگی۔ ایسی صورت میں ایسے اسلوب کو پسند کرنا میرے لئے ایک قرین مصلحت نہیں ہے۔ ان کے کردار بالکل ساکت معلوم ہوتے ہیں۔ ان پر ایک خاص قسم کی جمودی کیفیت طاری رہتی ہے مگر افسانہ نگار واقعات در واقعات بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ کردار ابتدائے افسانہ میں جہاں پر تھے وہیں اختتام افسانہ پر بھی نظر آتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ تمام افسانہ نگاروں کو یہ اسلوب پیش کشی ختم کردینا چاہئے۔

سڈنی۔ اے۔ موسلے کا خیال ہے کہ افسانہ نگار کو افسانے پیش کرکے ایک تماشائی کی حیثیت سے بالکل علیحدہ کھڑا ہوجانا چاہئے۔ اور یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کے کردار کس انداز میں

گفتگو کرتے ہیں، کیسی کیسی حرکتیں کرتے ہیں۔ان کی حرکتوں سے کون کون سے نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔اس میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ افسانہ نگار شخصیت کو افسانہ میں ایک کیرکٹر کی حیثیت سے پیش نہ کر سکے گا اور نہ قصہ ہی اس کی ذات سے متعلق ہوگا۔ایسی حالت میں افسانہ نگار انسانی زندگی کے حالات اور واقعات انتہائی کامیابی کے ساتھ کرداروں کے ذریعہ سے پیش کر سکتا ہے۔

گویا کردار آپ بیتی بیان کر رہے ہیں۔ جگ بیتی نہیں......وہ جانتے ہیں کہ تجربات تلخ ہیں یا شیریں۔

ایک نقاد کا خیال ہے کہ اول الذکر طریقہ میں افسانہ نگار کے تمام کردار ہیرو اور کبھی ذیلی کیرکٹر معلوم ہونے لگتے ہیں۔ان میں کوئی امتیازی شان باقی نہیں رہتی۔بیانیہ اسلوب پیشکش کی وجہ سے کرداری ارتقا بالکل مفقود ہو جاتا ہے اور تمام واقعات بیانات کے پس پشت پڑ جاتے ہیں۔مگر بعض افسانہ نگار ایسے بھی ہیں جنھوں نے ان دونوں اسالیب کو اپنے افسانوں میں جگہ دی ہے۔یعنی یہ کہ افسانے میں کہیں پر تو مواد کو خود ہی قاری کے روبرو پیش کیا ہے۔اور کہیں پر کردار کے منہ میں زبان دی ہے یہ طریقہ آسان ضرور ہے مگر اس میں شدید غلطیاں ہو جانے کا امکان ہے۔مبتدی افسانہ نگار کو یہ دقت محسوس ہوگی کہ بیانات پیش کرنے کے بعد وہ کس طرح اپنے افسانوں کو کردار کے ذریعہ سے آگے بڑھائے ایسی صورت میں سوائے ناکامی کے کامیابی کی کوئی امید نہیں۔

بعض افسانوں میں خطوط کو افسانے کی تدریجی ترقی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ان میں افسانہ نگار ہر ممکن طریقہ سے اپنے کردار کے جذبات واحساسات کا اظہار کر سکتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ خطوط میں بے معنی اور غیر ضروری باتیں آجائیں۔خطوط دراصل اظہار جذبات کا آلہ ہوتے ہیں۔ان میں جو مواد پیش کیا جاتا ہے اس سے کبھی قصہ کی گذشتہ غلط فہمی پر روشنی ڈال کر دور کیا جاتا ہے۔کبھی ناکامی اور نامرادی کا اظہار کیا جاتا ہے۔کبھی اس کو جدائی اور کبھی وصل کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔کبھی افسانوں کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے۔وہ خطوط کاروباری معاملات سے متعلق نہیں ہوتے۔ان میں گذشتہ عشقیہ قصے ہوتے ہیں یا انھیں سے عشق کی ابتدا ہوتی ہے۔غرض ایک اسلوب پیش کشی یہ بھی ہے جس میں کردار کی اضطرابی حالت کی زبان سے نہیں بلکہ ان کی قلم سے

ظاہر ہوتی ہے۔ خطوط کے پیش کرنے سے افسانے کے تسلسل میں فرق نہ آنا چاہئے۔ مبتدی افسانہ نگار کے لئے سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ زمانہ ماضی کے قصوں کو افسانے کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کرے زمانہ حال کے قصوں میں اُسے فاعل اور فعل کا خیال اس قدر رکھنا پڑے گا کہ اس کے افسانے کے اسلوب پیش کشی میں فرق آجائے گا۔

انفرادیت

انفرادیت کے لئے کوئی خاص قانون یا کلیہ مرتب نہیں کیا جاسکتا۔ ہر افسانہ نگار اپنی خداداد ذہانت اور اپنی استعداد کے مطابق اپنے طرزِ تحریر اور اپنے اسلوب پیش کشی میں انفرادی شان پیدا کر لیتا ہے۔ اس کا انحصار اس کے فطری رجحان پر ہوتا ہے کہ وہ کون سا انداز اور کون سا طرز اختیار کرے۔ بعض افسانہ نگار ایسے ہیں جن کے طرزِ تحریر اور اسلوب پیش کشی میں کوئی انفرادیت باقی نہیں رہتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے اس فطری عطیہ کی قدر نہیں کرتے جو کہ انہیں خداوند عالم کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔ وہ دوسروں کے افسانے پڑھ کر اپنے طرزِ تحریر اور اسلوب بیان کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا اندازہ بالکل ختم ہوجاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ مشہور یا مقتدر افسانہ نگاروں کے اسلوب کو پیش کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں مگر بہ دقت اور بہ دیر۔ اس کے باوجود بھی اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ ایسے افسانہ نگار زمانے اور وقت کے ساتھ ساتھ نہیں چلتے۔ دوسرے الفاظ میں اس کو یوں کہہ لیجئے کہ دنیا والے ان کو بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ گویا چند سال کے بعد ان کی ادبی موت واقع ہوجاتی ہے۔

بعض نقاد میری یہ تحریر پڑھ کر شاید یہ کہہ گزریں کہ افسانہ نگاروں کو دوسروں کے افسانے ہرگز نہ پڑھنا چاہئے۔ اگر وہ افسانے پڑھیں گے تو ان کا کچھ نہ کچھ اثر ان کے دل و دماغ پر ضرور باقی رہ جائے گا جو ان کی تحریروں میں نمایاں ہوجائے گا۔ مگر میرا مطمحِ نظر یہ ہے کہ ہر افسانہ نگار کو مستند افسانہ نگاروں کے افسانے کو ضرور پڑھنا چاہئے۔ اس کے پڑھنے کا اندازہ یہ ہونا چاہئے کہ پہلے وہ اس کے انداز بیان اور اسلوب پیش کشی کا جائزہ لے اور یہ دیکھے کہ وہ کون کون سے اجزا ہیں جو اس کی کامیابی کے ضامن ہیں۔ پرانی اور فرسودہ باتوں کو اس نے کس انداز میں پیش کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ کہاں پر اس نے ہلکے پھلکے اور سطحی الفاظ استعمال

کر کے اپنے مواد کو موثر طریقہ پر پیش کیا ہے کہاں وہ بھاری بھر کم اور ثقیل الفاظ استعمال کرتا ہے۔ کس طرح اس نے الفاظ کا انتخاب کیا ہے؟ کیا وہ الفاظ جو اس نے استعمال کئے ہیں نگوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں؟ اس کی عبارت میں کہیں متروک الفاظ تو استعمال نہیں ہوئے؟ جملہ کی ساخت میں کہیں ڈھیلا پن تو موجود نہیں ہے؟ کہیں سلاست کو تو ہاتھ سے نہیں جانے دیا؟ روانی اس کے اسلوب میں موجود ہے یا نہیں؟ یہ تمام باتیں افسانہ نگاروں کے افسانوں میں تلاش کرنی چاہئیں۔ اگر یہ تمام خوبیاں اس کے افسانے میں موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کا افسانہ دلکش اور موثر نہ ہو۔

ان اجزائے ترکیبی پر غور کرنے کے بعد افسانہ نگار کو چاہئے کہ وہ اپنے افسانے کے موضوع کو اپنے طور پر پیش کرے اور اپنے اسلوب اور طرز میں روانی، سلاست، برجستگی، چستی الفاظ وغیرہ کو مدنظر رکھے۔ رفتہ رفتہ اس کے طرز تحریر اور اسلوب پیش کشی میں انفرادی خوبی پیدا ہوجائے گی۔ کبھی کسی دوسرے افسانہ نگار کا اثر اس کے افسانوں کو تباہ نہیں کرسکتا۔ ابتدا ہی سے بے توجہی اور لاپرواہی مبتدی کے لئے ہلاکت کا باعث ہوگی۔ ذرا سی محنت اور جانفشانی سے اس کو کامیابی نصیب ہوسکتی ہے۔

عموماً نقاد یہ کہا کرتے ہیں ''فلاں افسانہ نگار کا انداز بیان نادر اور دلکش ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس افسانہ نگار کا طرز تحریر اور اسلوب پیش کشی عام افسانہ نگاروں کے انداز سے بالکل علیحدہ ہے۔ اس نے ایک علیحدہ راستہ اختیار کیا ہے جس کی وجہ سے اس نے نمایاں مرتبہ حاصل کرلیا ہے۔ اس طرح دوسرے افسانہ نگاروں کے متعلق ایسا جملہ لکھا جاتا ہے، ''فلاں افسانہ نگار کا انداز بیان بہت نفیس ہے۔'' اس کا بھی یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کے طرز تحریر میں عجوبہ پن موجود ہے کسی افسانہ نگار کی انفرادیت پر رائے زنی کرتے وقت اس کے کسی ایک افسانہ پر رائے قائم نہیں کی جاتی بلکہ اس کے تمام افسانوں کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ افسانہ نگار کے لئے یہ افسانہ نگار کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ہر موضوع کو ایک ہی انداز میں پیش کرے وہ موضوع کی تبدیلی کے لحاظ سے اپنے اسلوب پیش کش اور طرز تحریر میں جزئی تبدیلیاں کرسکتا ہے۔ مثلاً وہ ایک طربیہ افسانے کے لئے ابتدا ہی سے آسان اور سہل طریقہ اختیار

کرلیتا ہے مگر ایک حزنیہ افسانے کے لئے وہ ابتدا ہی سے دلگیر اور دل خراش اور دلدوز طرز پسند کرتا ہے۔ مذہبی، سیاسی اور قومی افسانوں کے لئے بھی وہ اپنا انفرادی طرز قائم کرلیتا ہے۔

بعض افسانوں میں نیچرل اور عام طرز کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ پھڑکتے ہوئے جملے بھی تیر ونشتر کا کام دیتے ہیں۔ لطیف ظرافت اور شوخی افسانے کی فضا کے مطابق ہونی چاہئے، مبتدی افسانہ نگاروں کو چاہئے کہ وہ اپنی انفرادی شان باقی رکھنے کے لئے مذکورۂ بالا امور پر غور کرنے کے بعد افسانے لکھیں۔

باب نہم

فرسودہ[1] مواقع، اور غیر متوقع صورتیں

افسانوں کے مقاصد

فرسودہ مواقع

پلاٹ کے مرتب ہو جانے کے بعد افسانہ نگاروں کو بہت کم دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر افسانہ لکھنے میں ایسے موقع اور محل آ جاتے ہیں جہاں قصے کو نبھانا اور اس کے بلند مقصد کو قائم رکھنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ فرسودہ باتوں کو چھوڑ کر نئے واقعات پیش کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہئے مگر وہ کوہ کندن اور کاہ برآوردن کے مصداق ہوگی۔ فرسودہ واقعات افسانہ نگار کے قدم قدم پر آئیں گے۔ ایسی صورت میں افسانہ نگار کو ذرا سی احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ انھیں اس انداز سے پیش کرنا چاہئے کہ ان میں کچھ عجوبہ پن محسوس ہو، مواد اور کردار کے پیش کرنے کی ایسی صورتیں ہونی چاہئیں جن کو مصنفین نے بہت کم پیش کیا ہو۔ یہ کام نئے نئے پہلو اور نئے نئے زاویے کو مدنظر رکھ کر بھی ہو سکتا ہے۔

Forced situation-1

افسانوں میں عموماً دوطرح کے خاص کردار پیش کئے جاتے ہیں۔ان میں یا تو دومرداور ایک عورت ہوتی ہے یادوعورتیں اورایک مرد ہوتا ہے۔یہ کردار کسی خاص داستان عشق یا داستان محبت کودہرانے کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔یہ موضوع مختلف اصناف ادب میں برابرزیرنظر رہا ہے اوراس پر صدہا قسم کی عمارتیں تعمیر کی جاچکی ہیں۔کچھ منہدم ہوکر خاک میں مل گئیں،کچھ کے نشانات باقی ہیں اور کچھ اپنے خلاق کی یادگار تازہ کرنے کے لئے شکستہ حالت میں اب بھی موجود ہیں۔خود مختصر افسانوں کو دیکھئے تو اب بھی یہ معلوم ہوگا کہ بیشتر 75 فیصدی افسانے اس موضوع پر لکھے گئے ہیں اور روزانہ لکھے جارہے ہیں۔یہی وہ موقع ہوتا ہے جہاں افسانہ نگار کو اپنی طباعی اور ذہانت سے کام لینا پڑتا ہے۔اگر وہ اپنے افسانوں کو بغیر کسی جدت کے پیش کردیتا ہے تو ان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔اسے چاہئے کہ وہ اپنے افسانوں کا نظریہ کسی قدر بلندر کھے۔

اس سے یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اگر کسی واقعہ کو قدیم انداز میں پیش کرنے سے افسانہ کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کو بھی جدید انداز میں یا کسی قدر جدت کے ساتھ پیش کرنا از بسکہ ضروری ہے۔اکثر ایسے بھی افسانے لکھے گئے ہیں جن میں تشویشناک مواقع پیدا ہی نہیں ہوتے۔ افسانہ نگار اپنے قلم کو روک کر جنبش دیتے ہیں۔انھیں تحریک اور جوش کو اعتدال کے ساتھ پیش کرنا پڑتا ہے۔المیہ اور طربیہ افسانوں کو عموماً کردار کے ذریعہ سے پیش کیا جاتا ہے۔ایسے ہی افسانوں میں خیالات کی جدت مذکورہ بالا عیوب کی طرف قاری کی توجہ مبذول نہیں ہونے دیتی۔

غیر متوقع صورتیں

افسانہ نگار کو پلاٹ مرتب کرنے میں ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں جب کہ اس کے افسانے کا ارتقا غیر متوقع طور پر مفقود ہوجاتا ہے اوراسے یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ پلاٹ میں اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔افسانے کو کس طرح آگے بڑھایا جائے ایسی حالت میں اسے پھر اپنے تخیل سے کام لے کر کوئی ایسی بات پیدا کرنا پڑتی ہے جس سے اس کے افسانے میں پھر تسلسل پیدا ہوجاتا ہے۔اگر وہ اس میں ایسی غیر ضروری حالتیں پیش کرنے سے گریز کرتا ہے تو اس کے افسانے کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔اس وقت یا تو وہ اپنے پلاٹ دوبارہ مرتب کرے اور اپنے افسانے کی بنی بنائی عمارت کو منہدم کردے اور دوسرے پلاٹ پر افسانہ لکھنا شروع کرے یا اس موضوع

ہی کو ترک کر دے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ افسانہ نگار ہر موضوع پر افسانے لکھنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ اس کو سمجھتا ہو یا نہیں۔ مگر اسے ایک ایسے موضوع پر افسانہ لکھتا ہے جس کا تعلق عدالت سے ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ مقدمہ کس طرح دائر کیا جاتا ہے۔ وکیل کس طرح مقدمہ کو پیش کرتا ہے اور مقدمہ کے فیصلہ تک کون کون سی صورتیں پیش ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں اس کو اکثر و بیشتر دقتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ ممکن ہے کہ کہیں اس سے شدید غلطیاں بھی سرزد ہو جائیں۔ افسانہ نگار کو چاہئے کہ وہ اس افسانے کو لکھنے سے پہلے کسی مقدمہ کی پوری پوری کارروائی دیکھے۔ ورنہ اس کے افسانے میں جگہ جگہ خلا رہ جائے گا جس کو یا تو وہ یونہی رہنے دے گا یا اپنی ذہنی کوششوں سے پر کرنے کی کوششیں کرے گا، مگر ناکامیاب رہے گا۔

افسانے شائع ہونے کے بعد نقاد کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان میں کہاں تک اصول افسانہ نگاری کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ ان کو جب یہ محسوس ہوگا کہ افسانہ نگار نے ایسے موضوع پر قلم اٹھایا ہے جس سے وہ قطعی واقفیت نہیں رکھتا تو وہ سخت ترین تنقیدیں لکھ کر اس کے افسانے کی وقعت کم کر دیں گے۔ ان کے نزدیک وہ افسانہ روزانہ زندگی کے طریقۂ کار کے خلاف ہوگا۔ بہتر صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کسی موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے اس کی تمام اصولی باتیں معلوم کر لی جائیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ افسانہ نگار کسی موضوع پر قلم اٹھاتا ہے مگر اپنی واقفیت کی کمی کو وہ اپنے زورِ قلم سے اس طرح پوری کر دیتا ہے کہ ناقدین کا خیال بھی اس طرف نہیں جاتا۔ یہ طریقۂ کار بھی اصولاً غلط ہے۔ مستند افسانہ نگار کبھی ایسے موضوع پر قلم اٹھانے کی جرأت نہیں کرتے۔ جب تک کہ وہ اس کے متعلق پوری پوری معلومات حاصل نہ کر لیں۔ وہ اپنے افسانوں کو حقیقت نما بناتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی ملک کے کسی خاص حصے یا طبقہ کے رہنے والوں سے متعلق کوئی افسانہ لکھا جاتا ہے تو افسانہ نگار کو اس کی خصوصیات کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنا از بسکہ ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کے رسم و رواج، رہنے سہنے کے اطوار، لباس، زبان اور ان کے اندازِ گفتگو پر خاص توجہ دینا پڑتی ہے۔

مسٹر۔ سڈنی۔ اے۔ موسلے نے ایک مبتدی افسانہ نگار کے بارے میں یوں تحریر کیا ہے:

"ایک مرتبہ ایک مبتدی افسانہ نگار میرے پاس آیا۔ میں اس سے بخوبی

آگاہ تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے حال ہی میں افسانہ نگاری شروع کی ہے۔ دوران گفتگو میں اس نے مجھے ایک افسانہ دکھایا جو اس نے اسی زمانے میں ایک مچھیارے کے بارے میں لکھا تھا۔ افسانہ عشقیہ تھا۔ اس میں لکھا تھا ایک شخص کی بیوی اس سے بیس سال چھوٹی تھی۔ اس کے متعلق شوہر کو یہ صرف شبہ ہی نہیں تھا بلکہ وثوق کے ساتھ معلوم تھا کہ وہ کسی سے محبت کرتی ہے۔ مگر افسانے کے اختتام پر یہ انکشاف ہوا کہ وہ اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے۔ میرا خیال یہ ہوا کہ یہ افسانہ ایک فرسودہ موضوع پر لکھا گیا ہے مگر اس میں ایسی غیر متوقع صورتیں اور مواقع پیدا کئے گئے ہیں کہ میں اس کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس میں جاذبیت اور اچھوتا پن بھی موجود تھا۔"

دراصل اس افسانے کی کامیابی کی وجہ وہ غیر متوقع صورتیں تھیں جن کو انتہائی تلاش و جستجو اور مطالعہ کے بعد افسانہ نگار نے پیدا کیا تھا۔ اس نے مچھیاروں کی زندگی پر ایک گہری نظر ڈالی تھی۔ اس نے اپنے اسلوب بیان سے اس میں ایک خاص قسم کی کشش پیدا کی۔ اس میں ایک بھی ایسا موقع نہ تھا جس پر یقین کرنے میں دقت ہوتی۔ اسی طرح اور افسانہ نگاروں کے افسانے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جن کے موضوع فرسودہ ہیں مگر غیر متوقع صورتوں نے ان کے افسانوں میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ ای۔ ایم۔ جل کا خیال ہے کہ ہر افسانہ نگار کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ڈبلو۔ ڈی۔ ہوویلز کا مشہور مختصر افسانہ "عورت یا چیتا[1]" ضرور پڑھنا چاہئے۔ یہ ایک نوجوان افسانہ نگار کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ اس میں اس نے یہ دکھایا ہے کہ ایک غریب اور مفلس نوجوان اپنے ملک کی شاہزادی کے دامِ محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ شاہزادی بھی اس کی مردانہ صفات کی وجہ سے اس کی دلدادہ ہو جاتی ہے۔ مگر جب بادشاہ کو اس کی خبر ہوتی ہے تو وہ اس نوجوان کو موت کے گھاٹ اتارنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ ایمفی تھیٹر میں دو چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں تعمیر کی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک میں بھوکا چیتا بند کیا جاتا ہے اور دوسری میں شہزادی۔ اس نوجوان کو اس کا

W.D.Hawells "The Lady The Tiger"-1

قطعی علم نہیں تھا کہ کس کوٹھری میں شہزادی مقفل ہے اور کس میں چیتا۔ اس کو ہزاروں انسانوں کی موجودگی میں کنجیاں حوالے کی جاتی ہیں کہ وہ ان دونوں کوٹھریوں میں سے کسی ایک کو کھول لے۔ یہی بادشاہ کا آخری فیصلہ ہوگا۔ اگر وہ شہزادی والی کوٹھری کھولتا ہے تو اس کی زندگی بخشی جاتی ہے اور اس کی شادی شاہزادی سے ہوجائے گی ورنہ دوسری کوٹھری سے بھوکا درندہ نکل کر اس کا خاتمہ کردے گا۔

وہ شخص انتہائی دلیری کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا اندر داخل ہوتا ہے۔ اس نے بے خوف ہوکر داہنی جانب کی کوٹھری کھول ڈالی...... قارئین غور کیجیے، اس کوٹھری سے کون برآمد ہوتا ہے چیتا یا شہزادی؟ یہیں پر اس نے افسانے کو ختم کردیا۔ اس کے شائع ہوتے ہی امریکہ کے مختلف شہروں سے سیکڑوں انسانوں نے اس افسانہ نگار کو ٹیلی فون کئے اور تار بھیجے۔ ان میں یہی دریافت کیا گیا کہ اس کو شہزادی ملی یا وہ چیتے کا لقمہ بن گیا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے قارئین کو اضطرابی حالت میں چھوڑ دیا۔ تمام امریکہ میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ اسکولوں میں یہ موضوع مباحثوں کے لیے منتخب کیا گیا۔ ازاں بعد تمام یورپ اس مسئلہ کے حل کرنے میں لگا رہا۔ یوں کہیے کہ اس غیر متوقع صورت نے تمام مہذب دنیا میں ہلچل ڈال دی۔ یہ ایک راز ہے اور شاید آئندہ بھی راز رہے۔

مختصر افسانوں میں اس طرح کے مواقع پیدا کرنا ضروری ہیں۔

افسانوں کے مقاصد

کسی افسانے کی ابتدا کرنے سے پہلے ایک افسانہ نگار کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے پیش نظر کوئی مقصد رکھے۔ اکثر افسانہ نگار بغیر کسی مقصد کے افسانے کی ابتدا کردیتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اختتام پر پہنچ کر وہ کسی نہ کسی مقصد کی تکمیل تو کرہی دے گا۔ ایسے افسانے کسی پہلو سے کامیاب نہیں ہوتے کیونکہ ان کے مکالمے بے تکے اور بے ہنگم ہوتے ہیں۔ کرداروں کا عمل بھی کوئی خاص معنی نہیں رکھتا۔ ان کے قدم ہر وقت ڈگمگاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ استقلال اور ثابت قدمی ان کی خصوصیت نہیں ہوتی۔ واقعات بھی غیر مرتب طور پر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ انھیں کوئی نہ کوئی سماجی، سیاسی، اخلاقی یا مذہبی یا کسی اور قسم کا مقصد ضرور پیش نظر رکھنا

چاہئے۔ مگر ایک افسانے سے ایک ہی مقصد کی تکمیل ہونی چاہئے۔ ایک افسانے سے دو یا دو سے زیادہ مقاصد کی تکمیل کرنا فعل عبث ہے۔ واقعات اور کردار دونوں اگر ایک مقصد کی تکمیل میں کوشاں ہوں اور اس کی تکمیل کے ساتھ ساتھ کسی ذیلی مقصد کی بھی تکمیل ہوجائے تو اس سے افسانے کے حسن میں زبردست اضافہ ہوجائے گا۔ اگر افسانہ نگار یہ محسوس کرتا ہے کہ کسی ایک نظریہ یا طرز سے ایک مقصد پورا نہیں ہوتا تو اسے دوسرا طریقہ اختیار کرلینا چاہئے کیونکہ ایک ہی نظریہ کی تکمیل مختلف طریقوں سے ہوسکتی ہے۔

افسانہ نگار ایک ہی موضوع اپنے پیش نظر رکھے اور اس کے ساتھ ایک ہی مدعا وابستہ کرے تاکہ افسانہ گنجلک نہ ہونے پائے۔ اس میں ایسی گتھیاں پیدا نہ ہوجائیں جو 'منتہا' کے بعد بھی نہ سلجھیں۔ افسانے کے اور تمام اجزا اس مقصد کے تحت میں کام کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ وہ اسی تکمیل میں مددگار یا معاون ثابت ہوں گے۔ اگر افسانہ عشقیہ ہے تو درد و محبت کے جذبات اور احساسات کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہئے۔ عمدہ افسانوں کے مقصد کا علم دوران افسانے ہی میں قاری کو ہوجاتا ہے۔ وہ افسانے کے اٹھان اور اسلوب بیان سے حیران ہوکر اس طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور اس امر پر غور کرتا ہے کہ اس مقصد کو کس طرح حاصل کیا گیا ہے۔

مندرجہ ذیل عبارت ایک افسانے سے نقل کی گئی ہے، اس کو پڑھئے اور غور کیجئے کہ اس سے افسانہ کا مقصد معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔

> ''رادھا! بھولی رادھا! یہ نہ جانتی تھی کہ عشق کیا ہے؟ اور اس کا دل سے کیا تعلق ہوتا ہے؟''

اس کو پڑھتے ہی ہر شخص یہ اندازہ لگالیتا ہے کہ رادھا کسی کے دام محبت میں گرفتار ہے۔ اسی طرح افسانے کے متن اور اختتام پر بھی افسانے کے مقصد کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ افسانے کے ہر جملے سے اس کے مقصد کی تکمیل ہونا لازمی ہے۔ کردار کے افعال اور ان کی گفتگو سے بھی اس کی تکمیل ہونی چاہئے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ افسانہ کا مقصد کس قسم کا ہونا چاہئے؟ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ اصلاحی۔ بعض افسانہ نگاروں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ افسانہ کوئی سنجیدہ صنف ادب نہیں ہے۔

وہ محض تفریح طبع کا ایک ذریعہ ہے اس سے کوئی کام نہیں لیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا شمار فنون لطیفہ میں ہے۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ اگر اس فن کو کسی مقصد کے تحت میں پیش کیا گیا تو اس میں فنی نزاکتیں اور فنی بلندیاں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ حالانکہ افسانے کے مکمل ہو جانے کے بعد افسانہ نگار اور قاری دونوں یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس پابندی کے ساتھ افسانہ بہت کامیاب ہوتا ہے۔ اردو کے مقتدر افسانہ نگاروں کے افسانے بھی کسی نہ کسی اصلاحی مقصد کی تکمیل ضرور کرتے ہیں۔ ہر مبتدی افسانہ نگار کو یہ سوچ لینا چاہئے کہ افسانہ فلاں موضوع پر لکھا جائے گا اور اس سے اس مقصد کی تکمیل ہوگی۔

افسانہ نگار اپنے مقصد کی اشاعت کبھی ایک واعظ یا ایک مقرر کی حیثیت سے نہیں کرتا بلکہ وہ زندگی کے واقعات اس طرز اور اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ قاری کے دماغ میں اس کے نقوش مرتب ہوتے ہیں۔ قاری کبھی عمداً افسانے سے سبق نہیں لیتا۔ یہ خوبی افسانے کی ہوتی ہے کہ قاری خود بخود متاثر ہونے لگتا ہے۔ ان واقعات کو پڑھ کر وہ اسی طرح کے واقعات اپنی زندگی کے گذشتہ واقعات میں تلاش کرنے لگتا ہے۔ اسے کچھ واقعات اپنی فطرت سے مطابقت کرتے ہوئے ملنے لگتے ہیں اور افسانے کا اتحادی اثر قاری کی اصلاح کرنے لگتا ہے۔ اس طرح افسانے کے مقصد کی تکمیل ہوتی جاتی ہے۔

بعض افسانہ نگاروں کا یہ خیال ہے کہ افسانے کا مقصد صرف ہماری مادّی زندگی کی اصلاح ہے۔ مگر کچھ کا خیال ہے کہ افسانہ ہماری مادّی اصلاح کے ساتھ ساتھ روحانی اصلاح بھی کرتا ہے۔ مادی اصلاح کا پہلو تو قریب قریب ہر افسانے میں مل جاتا ہے۔ مگر روحانی اصلاح بہت کم افسانوں میں پائی جاتی ہے۔ ہر افسانہ ہمارے خیالات، واقعات اور احساسات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہمارے جسم میں جس قدر بھی عیوب ہیں ان کے اصلاح کی کوشش افسانہ نگار کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ وہ جذبات بھی پیدا کرتا ہے جو حقیقی معنوں میں ہر انسان میں ہونے چاہیے۔ وہ ہم میں اور دوسرے کے ساتھ ہمدردی، محبت، ایثار، قربانی، یگانگت کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔

باب دہم

عشقیہ افسانے اور صنف نازک

عشقیہ افسانے

افسانہ نگاروں کا یہ خیال کہ دنیا کے بہترین افسانے صرف ''عشقیہ افسانے'' ہوتے ہیں۔ یا جن افسانوں میں کہیں بھی ''عشق'' کا عنصر نمودار ہوجاتا ہے وہ بہت کامیاب افسانے ہوتے ہیں۔ کسی حد تک صحیح ہے۔ جن میں عشق و محبت کو موضوع بنایا جاتا ہے وہ انسانی جذبات اور احساسات پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ قاری عشقیہ افسانے کو سب سے پہلے پڑھتا ہے اور یہ کسی حد تک درست ہے۔ ناقدین ادب کا یہ خیال ہے کہ ''عشق'' اور ''محبت'' دونوں قاری کے دل ودماغ پر ہر وقت مسلط رہتے ہیں۔ افسانہ نگار کے ذہن سے جو خیالات افسانے میں ظاہر ہوتے ہیں اسے ان سے اور اپنے خیالات اور احساسات سے جگہ جگہ مطابقت کرنا چاہئے۔ افسانہ نگار بھی انسان ہوتا ہے اور محبت والفت کے جذبات سے عاری نہیں ہوتا۔ وہ سوسائٹی میں آنکھیں کھول کر دیکھتا ہے کہ اس کے قارئین کے مذاق کی زیادہ تر توجہ کس جذبہ کی طرف ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے اور ان میں ندرت پیدا کر کے قارئین کے مذاق کے مطابق اس کو پیش کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ سوسائٹی کے کس قسم کے افراد کے لئے افسانے لکھتا ہے۔ اپنے کردار میں وہ انھیں لوگوں

کا جربہ اتارتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاری کو ان کردار میں اور اپنی زندگی میں بہت کم فرق معلوم ہوتا ہے۔ اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن سے ہم روزانہ ملتے جلتے ہیں۔ بعض اوقات تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ کردار افسانہ اس کے دوستوں یا ساتھیوں کی زندگی کے جربے ہیں۔ کچھ مواقع افسانوں میں ایسے بھی آتے ہیں جب کہ وہ خود کو ہیروئن کا عاشق یا ہیرو تصور کرنے لگتا ہے۔

بہت سے افسانے پڑھنے والے خطرناک اور مشکل پلاٹ پسند کرتے ہیں۔ عاشق و معشوق کی جدائی ان کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہے۔ یہی ان کے پسندیدہ افسانوں کا معیار ہوتا ہے۔ اگر عشقیہ داستان انتہائی سادگی اور فنی تکمیل کے ساتھ پیش کردی جائے تو وہ ان کی دلچسپی کا باعث نہ ہوگی۔ افسانہ ان کے لئے ایک بے جان قالب ہوگا۔ بعض لوگوں کو بھوت، چڑیل اور پریوں اور دیوؤں کے افسانے پڑھنے میں سرور حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان سے جو مافوق العادت حرکتیں سرزد ہوتی ہیں وہ ان کے استعجاب کو بڑھادیتی ہیں۔ مافوق العادت عناصر سے بری افسانے ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ایسے ہی لوگ "داز" کو کسی مصیبت میں گرفتار ہوکر کسی کامل بزرگ یا کسی دیوتا کی مدد سے رہائی پاتے دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسے افسانوں سے کسی حد تک ان کے مذہبی رجحانات کی بھی تشفی ہوتی جاتی ہے۔ ان تمام عناصر کے باوجود بھی ان میں عشقیہ چاشنی کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ وہ محبت کو بھی ان افسانوں میں دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا شخص ہو جس کے اندر محبت کے جذبات موجود نہ ہوں۔ ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ کسی کو چاہے یا کوئی عورت اس کی محبت کی قدر کرے۔ اگر وہ صنف نازک میں سے ہے تو اس کی یہ خواہش ہے کہ وہ چاہی جائے۔ ایسے ناظرین کے لئے عشقیہ افسانے لکھنا گویا اپنی شہرت میں چار چاند لگانے ہیں۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس قسم کے عشقیہ افسانے لکھے جائیں؟ اگر عشقیہ افسانے کسی خاص طبقے یا فرقے کے لوگوں سے متعلق ہیں تو ان کے ادب کی دیگر عشقیہ داستان کو دیکھ کر اندازہ لگانا چاہئے۔ بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ اس فرقہ اور طبقہ میں رہ کر ان تمام باتوں کا جائزہ لینا چاہئے جو ان کے عشقیہ افسانوں میں کسی نہ کسی طرح معاون ثابت ہوں۔ عشقیہ جذبات یا

احساسات کسی ایک طبقہ کی ملکیت نہیں ہوتے صرف درجہ محبت میں فرق ہوسکتا ہے۔ کسی انسان میں محبت کے جراثیم زیادہ ہوتے ہیں اور کسی میں کم۔ افسانہ نگار کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے کردار کو کہیں زیادہ اور کہیں کم جذبات محبت سے مملو دکھادے مگر اس طرح کہ قاری کو یہ محسوس نہ ہو کہ وہ ریاکار یا مکار ہیں یا کسی عاشق کے روپ میں بہروپ بھر کر نمودار ہوتے ہیں اس طرح کہ قاری کو یہ محسوس نہ ہو کہ ہر کیرکٹر اپنی محبوبہ پر دل وجان سے عاشق ہے اور وہ اس کی دنیا میں عزیز ترین شے ہے۔ ہر کیرکٹر کے عشق کی نوعیت علیحدہ ہونی چاہئے۔

عاشق ومعشوق کی محبت کو پیش کرتے وقت افسانہ نگار کو چاہئے کہ وہ اپنے تیز سے تیز نشتر کو کام میں لائے تاکہ وہ قاری کے دل پر بھی وہی اثر پیدا کردے۔ اکثر افسانے اس قسم کے ہوتے ہیں جن میں کردار وفادار اور بہی خواہ پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر افسانہ پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ بے وفا، مطلبی اور خود غرض ثابت ہوتے ہیں۔ ان کی حرکتیں قاری کو تکلیف پہنچاتی ہیں۔ وہ محبت ضرور کرتے ہیں مگر ان کی محبت میں بوئے وفا نہیں ہوتی۔ ان کی خود غرضی قدم قدم پر ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ مگر آخر میں افسانہ نگار انھیں زبردستی عاشق صادق بنادیتا ہے۔ ایسی صورتیں افسانے کو تباہ و برباد کردیتی ہیں۔ بعض افسانے ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں کردار اپنے مقصد کے مطابق پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر ان کے اظہار جذبات کا طریقہ درست نہیں ہوتا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مصنوعی جذبات کا اظہار کررہا ہے۔

عشقیہ افسانوں میں عموماً مبالغہ کو بہت زیادہ جگہ دی جاتی ہے۔ مگر یہ محض ان میں دلکشی پیدا کرنے کی غرض سے، ان میں انسانی جذبات اور احساسات کا کوئی نہ کوئی پہلو زیادہ نمایاں رہتا ہے۔ رومانی افسانوں میں مبالغہ کو حقیقت آمیزی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ کیونکہ صرف حقیقی باتیں تلخ اور بے مزہ معلوم ہونے لگتی ہیں۔ رومانی افسانوں میں بھی مبالغہ موجود رہتا ہے۔ افسانوں میں صرف اس حد تک مبالغہ کا موجود ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ اکثر مواقع تو ایسے بھی آتے ہیں جب کہ تشبیہ اور استعارہ کو بھی جگہ دی جاتی ہے۔ مبالغہ کے ذریعہ سے بھی خیالی افسانے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا اس کے اثر میں کمی پیدا کردیتا ہے۔ عشقیہ افسانوں کے متعلق ولیم بلیک (William Black) نے ایک مقام پر لکھا ہے:

''عشقیہ افسانوں میں ایک مرد کی محبت دو عورتوں سے، یا ایک عورت کی محبت دو مردوں سے یا دو مردوں کی محبت ایک عورت سے اور دو عورتوں کی محبت ایک مرد سے دکھانے کے بعد ہم ہزاروں افسانے صرف مقصد کو تبدیل کر کے تیار کر سکتے ہیں جن میں جذبات انسانی مثلاً رشک وحسد، خوف و ہراس، حیرت و استعجاب، ایثار و قربانی پیش کئے جا سکتے ہیں۔''

افسانے اور صنف نازک

یہ خیال عوام میں بہت زیادہ ترقی کر گیا ہے کہ افسانوں میں عورتوں کا تذکرہ ہونا بہت ضروری ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں افسانے میں دلکشی اور جاذبیت پیدا نہیں ہونے پاتی۔ خداوند عالم نے عورت اور مرد دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ ایک کی زندگی دوسرے کے سہارے گزرتی ہے۔ اگر عورت کی زندگی کو افسانے میں پیش کیا جائے اور اس میں مرد کا تذکرہ نہ ہو تو عورت کی زندگی میں ایک زبردست کمی نظر آئے گی۔ یہی حال مرد کی زندگی کا ہے۔ عورت کے بغیر اس کی زندگی کی تصویر قطعی نامکمل ہوگی۔ اس لئے ہر افسانے میں ان دونوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔

افسانوں میں کس قسم کی عورتوں کا تذکرہ ہونا چاہئے؟ ہیروئن تو کم سے کم ایسی ہو جس کا کسی سے ازدواجی رشتہ قائم ہو سکے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس رشتہ میں پہلے سے بھی منسلک ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ رشتہ دار لڑکیاں، سہیلیاں، مائیں، بہنیں اور دیگر عزیز عورتیں بھی پیش کی جاتی ہیں۔ خادمائیں اور مامائیں بھی افسانے میں اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے جا بجا نمایاں ہوتی رہتی ہیں۔ ان سب میں وہی خوبیاں ہونا ضروری ہیں جو ہمارے سماج کی گھریلو عورتوں میں ملتی ہیں۔ یعنی یہ کہ جس طرح ہر عورت کے کردار میں کوئی نہ کوئی کمزور پہلو ہوتا ہے اسی طرح افسانے کی خواتین میں بھی وہی کمزوریاں ہونی چاہئیں۔ اگر ان کو مثالی بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ نہ تو اس سے کبھی کوئی غلطی سرزد ہوتی ہو اور نہ ان کے کیرکٹر میں کوئی خامی ہوتی ہے تو وہ

ایسی عورتیں معلوم ہونے لگتی ہیں جو کبھی کسی جرم کی مرتکب نہیں ہوتیں۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ ان کے حسن کو نمایاں نہ کیا جائے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دنیا کی تمام تر عورتوں کی خوبیاں افسانے کی ہیروئن یا کسی دوسرے زنانہ کردار میں جمع نہ کر دی جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں عورت کی عظمت کو پست اور پست تر کرنا چاہتا ہوں۔ اگر عورت صحیح معنوں میں عورت کے روپ میں نمودار ہو تو اس کی قدر و منزلت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

صنف نازک کو مختلف افسانوں میں مختلف نظریوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اب سے چند سال قبل عورتیں مردوں کی لونڈی، باندی تصور کی جاتی تھیں۔ یہ کہا جاتا تھا کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ ان کی کوئی بات ماننے کے قابل نہیں ہوتی۔ عورت کو فطرت نے کمزور اور گھریلو زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ یا اس کو یوں کہہ لیجئے کہ مردوں نے ان کو گھروں میں بند کر کے اپنی اور بچوں کی خدمت کرنے کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ عورتوں کی حالت میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی جارہی ہے۔ وہ ''باندی اور لونڈی'' کے بجائے رفیقۂ حیات بنتی دکھائی دے رہی ہیں۔ ان کے مادی حقوق انھیں دیے جارہے ہیں۔ وہ دنیائے کاروبار میں مرد کے دوش بدوش چلتی دکھائی دے رہی ہیں۔ زمانے کے افسانوں میں بھی وہ اس حیثیت سے پیش کی جارہی ہیں۔ اردو زبان کے قدیم طویل افسانے اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کو اس زمانے اور اس ماحول کے مطابق پیش کیا گیا تھا۔ وہ افسانے جو راجپوتوں کی عورتوں سے متعلق ہیں یا جو آج بھی لکھے جاتے ہیں راجپوتی عورتوں کی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ اپنی عزت و آبرو پر اپنی جان اور اپنا مال سب کچھ قربان کر دیتی ہیں۔ ایسے افسانے دیکھنے میں آتے ہیں جن میں عورت کو محض تفریح کا آلہ بنایا جاتا ہے۔ ان کی نسوانیت اور ان کی ظاہری دلکشی اور دلفریبی ان کے عشق کی وجہ بتائی گئی ہے۔ مگر بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ صنف نازک صرف محبت کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے کیونکہ مرد اس کی محبت کھو کر ابدی مسرت اور خوشی حاصل نہیں کر سکتا۔ دراصل افسانوں میں عورت کو اس کے حقوق کے ساتھ رفیقۂ حیات کی حیثیت سے پیش کرنا چاہئے۔ اس امر کی کوشش نہ کرنی چاہئے کہ اس کو تمام عیوب کا مجسمہ بنا کر پیش کیا جائے۔ وہ

وقت گزر گیا جب کہ عورت کو فطری طور پر کمزور سمجھ کر انتہائی ذلیل خصوصیات کے ساتھ پیش کیا جاتا تھا۔ عورت کے پاس دل ہوتا ہے۔اس دل میں درد اور اس درد کے ساتھ محبت۔ افسانہ نگار کو اپنے مضراب قلم سے اس ساز کو چھیڑنا چاہئے تا کہ اس سے محبت بھرے نغمہ پیدا ہوں۔

✲✲✲

اردو میں افسانہ نگاری کا آغاز مغرب کے زیر اثر ہوا۔ یہ ایک کم عمر مگر اہم صنف ہے۔ اس نے بہت کم عمر میں بہت زیادہ ترقی کی۔ پریم چند کو اردو کا اوّلین با قاعدہ افسانہ نگار تسلیم کیا جاتا ہے اور منٹو اور بیدی اردو کے سب سے بڑے افسانہ نگار تسلیم کیے جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ تقریباً ایک صدی کی مختصر سی مدّت میں اس فن نے بے مثال ترقی کی مگر اب بھی ہمارے بہت سے لکھنے والے افسانہ، ناول اور ناولٹ کے فرق سے واقف نہیں ہیں اور تینوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں یا ان کی ضخامت کی بنا پر انھیں ایک دوسرے سے ممیّز کرتے ہیں جب کہ ناول اور افسانے میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ جے اے ہمیرٹن کا خیال ہے کہ دنیا کی ہر شے افسانہ کا موضوع ہوسکتی ہے اور تخیل کی ہم آہنگی سے اس میں بلندی پیدا کی جاسکتی ہے۔ مگر اس کا ہماری زندگی سے متعلق ہونا ضروری ہے۔ صرف خیال آرائی پر افسانے کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ ہمیرٹن نے تخیل کی مدد سے چند واقعات کی ایسی پیش کش کو، جو کردار کے ایک رخ کو نمایاں کردے، افسانہ بنایا ہے۔ اس کتاب میں اویس احمد ادیب نے تمام مشرقی و مغربی مفکرین کی آرا کے تجزیے سے افسانہ نگاری کے اصول پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اویس احمد ادیب حلیم مسلم کالج، کان پور سے وابستہ ہیں۔

₹ 65/-

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025